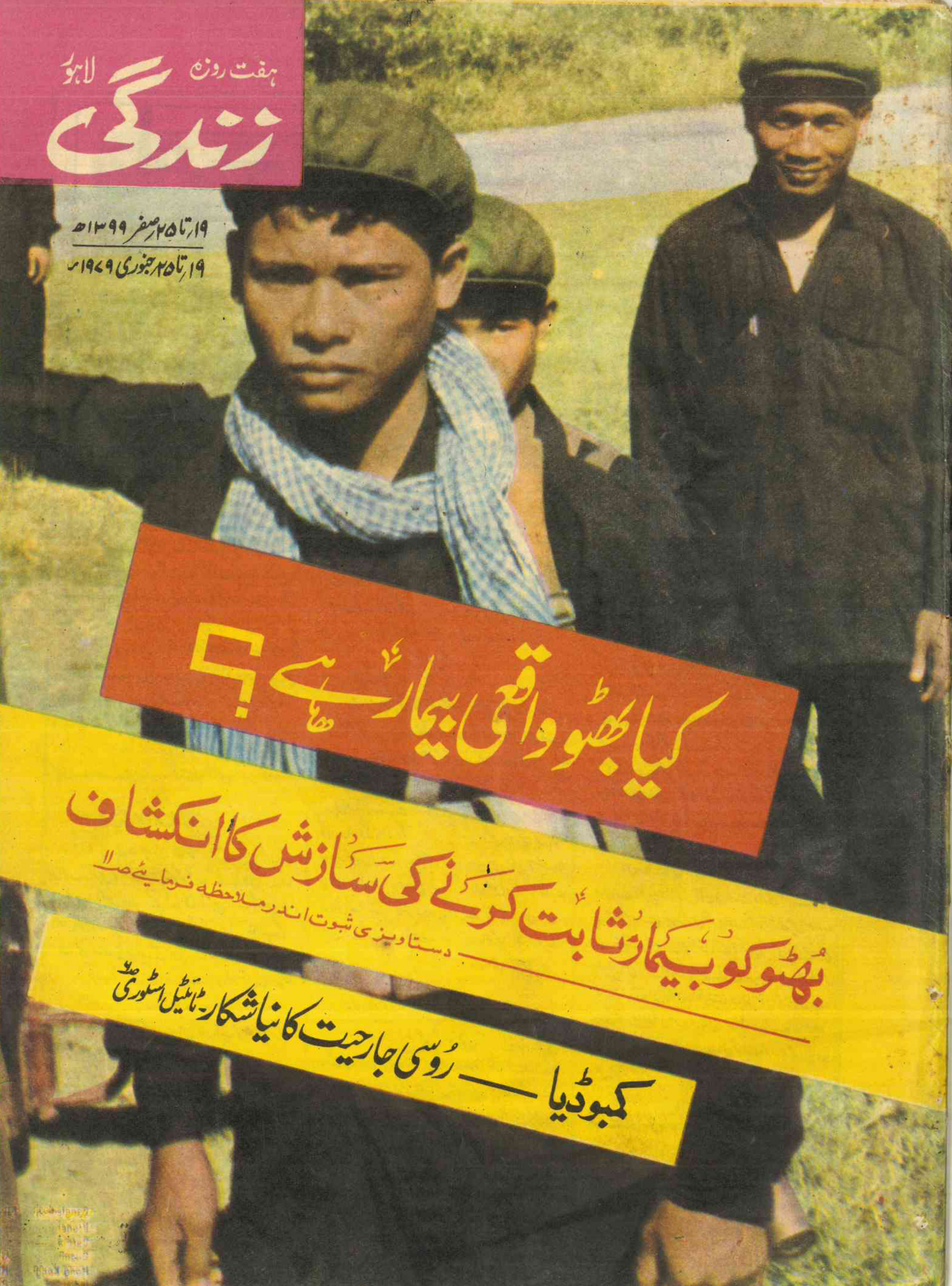

ہفت روزہ
زندگی
لاہور

۱۹ تا ۲۵ صفر ۱۳۹۹ھ
۱۹ تا ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء

کیا بھٹو واقعی بیمار ہے؟

بھٹو کو بیمار ثابت کرنے کی سازش کا انکشاف

دستاویزی ثبوت اندر ملاحظہ فرمایئے ص۱۱

کمبوڈیا ـــ روسی جارحیت کا نیا شکار - ٹائٹل اسٹوری ص۲۰

بنام زندگی

نورانی میاں خاموش کیوں ہیں؟

پیپلز پارٹی کے نعرے "سوشلزم ہماری معیشت ہے"، کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے اپنی تمام تر صحافیانہ صلاحیتیں استعمال کرنے والے حنیف رامے بعد میں مسٹر بھٹو سے ذاتی اختلافات کے باعث جیل گئے۔ پی این اے کی زبردست عوامی تحریک کے نتیجے میں انہیں جیل سے رہائی ملی، تو ہوا کا رخ دیکھ کر انہوں نے بھی اپنی حکمتِ عملی تبدیل کر لی اور سوشلزم کو تیاگ کر اسلام کی مالا جپنے لگے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ جناب حنیف رامے پھر اپنی اصلیت کی جانب لوٹ گئے اور آج کل وہ مساوات پارٹی کے قائد کی حیثیت سے مولویوں کے نام پر اسلام کو گالی دے رہے ہیں۔ اسلامی شعار کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ رامے جو کچھ کر رہے ہیں، اس پر ہمیں کوئی تعجب نہیں، حیران کن بات جناب نورانی کا طرزِ عمل ہے کہ ان کی توپوں کا رخ بدستور نظام مصطفےٰ کے علمبردار قومی اتحاد اور خصوصاً جماعت اسلامی کی جانب ہے اور رامے صاحب کی اسلام بیزاری کی جانب ابھی تک ان کی توجہ نہیں ہوئی۔ ہم جاننا چاہیں گے کہ صبح وشام قومی اتحاد کو بے بھاؤ کی سنانے والے نورانی میاں، حنیف رامے کے اس طرزِ عمل پر خاموش تماشائی کیوں بنے ہوئے ہیں؟

(خلیل الرحمٰن، اچھرہ، لاہور)

قادیانیوں کی بھیانک سازش

"زندگی" کے ۵ رجنوری کے شمارے میں "قادیانیوں کی بھیانک سازش کا انکشاف" پڑھ کر آپ کے لئے دل سے دعا نکلی۔ اگر وہ خط کسی اور کے ہاتھ لگتا، تو کبھی منصۂ شہود پر نہ آتا اور یہ خوفناک بھیانک سازش خدا جانے کتنے خونی انقلاب کا باعث بنتی۔ ساتھ ہی حیرت بھی ہوتی ہے کہ ہمارا سیکورٹی کا ادارہ کیوں خوابِ غفلت میں سو رہا ہے۔ ایسی خطرناک سازشوں کا قبل از وقت تدارک کیوں نہیں کرتا۔ آپ خلوص اور دردِ دل سے پاکستان کی جو خدمت کر رہے ہیں، خدا آپ کو اس کا ضرور اجر دے گا۔

روک دو طاغوت کے طوفاں کو بڑھ کر روک دو

(عبداللطیف جنجوعہ لاج۔ کھاریاں شہر)

مسلم اوقاف نئی پالیسی بنائیے

مسلم اوقاف کی صرف لاہور شہر میں تقریباً ۰۰۷ کنال زمین ہے جو بلامصرف پڑی ہوئی ہے۔ یہ زمین نہ قابل کاشت ہے اور نہ کسی کو پٹہ پر دی گئی ہے، بلکہ محکمہ اوقاف کے ملازمین اس زمین پر گلچھرے اڑا کر اپنا "معیارِ زندگی" بلند کر رہے ہیں۔ اکثر جگہوں پر گوجروں اور تانگہ بانوں وغیرہ نے قبضہ کر رکھا ہے، بلکہ بعض جگہوں پر ملحقہ پلاٹوں کے مالکان نے اوقاف کی زمین شامل کر کے مکان تعمیر کر لئے ہیں۔ اوقاف کا کوئی ملازم جاتا ہے، تو اسے کچھ مال مل جاتا ہے اور وہ واپس آجاتا ہے اور اوقاف کی زمین پر ناجائز تعمیر جاری رہتی ہے۔

یہ محکمہ اس وقت مرکز کے پاس ہے۔ مرکز کو اس سلسلے میں کوئی مفید پالیسی وضع کرنی چاہیئے۔ اگر یہی لیل ونہار جاری رہے، تو زمین ختم ہو جائے گی اور سرکاری خزانے کے بجائے اوقاف کے ملازمین کی جیبیں بھر جائیں گی۔ بہتر ہو گا کہ یہ زمین پٹے پر دے دی جائے، تاکہ رہائشی مسئلہ حل ہو سکے یا پھر مکان کوارٹر تعمیر کر کے مناسب کرایہ پر غریب اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو دے دیئے جائیں۔

چند برس پیشتر گذشتہ حکومت کے دور میں پیپلز پارٹی کے ایک ایم این اے کی سفارش پر ایک وزیر نے چٹھیں جاری کر دیں اور ایسے لوگوں نے جن کی پہلے کوٹھیاں تھیں مزید مکان تعمیر کر لئے اور کچھ پلاٹ اپنے ورکروں کو دے دیئے جنہوں نے مکان تعمیر کر لئے۔ میاں میر میں واقع اوقاف کا دفتر ان دنوں خوب ہاتھ رنگ رہا ہے، اس کی بھی تحقیقات ہونی چاہیئے

(عبدالرحیم صدیقی۔ باغبانپورہ، لاہور)

جوش اور مجالسِ محرّم

ذرائع ابلاغ پر قابض مخصوص حلقے پدم بھوشن صاحب کو امام حسینؓ کی یاد میں منعقد ہونے والی مجالس میں شریک کرتے ہیں، حالانکہ ان کا تعلق شیعہ فرقے سے ہرگز نہیں۔ آپنے غور نہیں کیا کہ جو اشعار جوش صاحب پڑھتے ہیں، انہیں واقعاتِ کربلا اور مذہب سے دور کا تعلق بھی نہیں ہوتا۔ ہر شعر پر ایکدم واہ۔ واہ۔ واہ کا نعرہ لگتا ہے۔ اس قسم کی مجالس دورانِ محرّم خاص طور پر شیعوں کی دل آزاری کا باعث ہوتی ہیں۔ شیعہ نمائندہ جماعتوں نے اس پر احتجاج بھی کیا، مگر لاحاصل رہا۔ سنا ہے کہ جوش صاحب پڑھنے سے پہلے پینے کے بھی عادی ہیں۔ ایسے انسان کو خدا کے واسطے مذہب کے ساتھ وابستہ نہ کریں۔

(ایک اہلِ تشیع)

خرکار باربر

بعض بڑی ہیئر ڈریسنگ سیلونوں کے سرمایہ دار، لالچی اور سنگدل مالکان اپنی دکانوں میں بچوں کو ملازم رکھ کر غریب و ضرورتمند اور مجبور و بے کس خاندانوں کا بدترین استحصال کر رہے ہیں، نیز اپنی ہی باربر برادری کے کم عمر لڑکوں سے کام لینے کا ظالمانہ سلوک روا رکھ کر بالکل "خرکار باربروں" جیسا قابلِ مذمت کردار انجام دے رہے ہیں۔ چھوٹی عمر میں حصولِ تعلیم میں مدد اور سرپرستی کرنے کے بجائے ان معصوم بچوں سے جھاڑو یا صفائی کرانے، شیونگ کا استعمال شدہ سامان دھلوانے، ہر قسم کی بیگار لینے، چھچھورے مذاق کا نشانہ بنانے اور گاہکوں کے سامنے ان کے ہاتھ پھیلا کر "بخشش کی بھیک" منگوانے کے قابلِ مذمت افعال سے ان نونہالوں کے احساسِ خودداری اور جذبۂ خود اعتمادی کو تباہ اور انسانیت سوز سلوک سے ان کا مستقبل بالکل تاریک بنایا جا رہا ہے۔ بچوں کو ملازم رکھنے کی ممانعت کی "شاپس آرڈی نینس" کی دفعہ کی اس سنگین اور مسلسل خلاف ورزی کے لئے محکمہ محنت بھی برابر کا قصور وار ہے، کیونکہ اب تک اس گھناؤنے جرم پر کسی بھی ظالم باربر پر مقدمہ اور جرمانہ نہیں ہوا ہے۔

(اسلام سلمانی، سیکرٹری پاکستان نیشنل ہیئر ڈریسر فیڈریشن، کراچی)

سرکاری دفاتر میں نماز کا قیام

مجلس العلماء، حیدرآباد کے ارکان کا ایک اجلاس عام قاری سید عبدالقادر بخاری مدظلہ کی زیرِ صدارت منعقد ہوا جس میں مجلس کا دستور بالاتفاق منظور کیا گیا اور طے پایا کہ تین ماہ میں ممبر سازی مکمل کر کے عہدیداران کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔

اجلاس میں حیدرآباد میں تحریک اقامت صلوٰۃ کا جائزہ لیا گیا اور درج ذیل قرارداد بالاتفاق منظور کی گئی۔

مجلس العلماء حیدرآباد کے اراکین کا یہ اجلاس عام اس حقیقت پر انتہائی صدمے کا اظہار کرتا ہے کہ صدرِ مملکت نے سرکاری دفاتر میں لازمی باجماعت نماز کا جو حکم جاری کیا تھا، اس کی پابندی کسی دفتر میں نہیں ہو رہی ہے، صرف بعض دفاتر میں نمائشی اہتمام ہے، لیکن افسران سب کے سب اور کارکنان کی بھاری اکثریت نماز سے غائب رہتی ہے۔ یہ اجلاس عام نماز جیسے دین کے بنیادی حکم پر عملدرآمد کرانے میں حکومت کی ناکامی کو سخت تشویشناک تصوّر کرتا ہے۔ اس صورتحال سے اندیشہ ہے کہ دیگر اسلامی احکام اور قوانین کے ساتھ بھی حکومت کے اہل کار اسی قسم کا معاملہ کریں گے۔ پھر اسلامی نظام قائم کرنے کا وعدہ کس طرح پورا کریں گے؟

اس معاملے میں مجلس العلماء کی پختہ رائے یہ ہے کہ اقامتِ صلوٰۃ کے اس پروگرام کی ناکامی کی ذمے داری بحیثیت مجموعی پوری قوم پر ہے، کیونکہ اس حکم پر عملدرآمد کرانے میں سب سے بڑھ کر دلچسپی ان جماعتوں کے کارکنوں کو لینی چاہیئے تھی جو جماعتیں اس وقت حکومت چلانے میں شریک ہیں، کیونکہ اس حکم پر عملدرآمد میں ناکامی درحقیقت ان جماعتوں کی ناکامی ہے۔ پھر نظام مصطفےٰ کی علمبردار تمام جماعتوں، سارے علماء خطیبوں اور مشائخ کو اور جملہ اخبارات و رسائل کو اس بارے میں اپنا اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے تھا۔

یہ اجلاس آخر میں صدرِ مملکت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حکومت کے احکام اور ہدایات پر عملدرآمد کے لئے مؤثر مشینری وجود میں لائیں اور اقامتِ صلوٰۃ کے حکم پر سختی کے ساتھ عملدرآمد کرانے کا انتظام کریں۔

(محمد یٰسین، سیکرٹری نشر و اشاعت)

(باقی ٹائیٹل نمبر ۳ پر)

ہفت روزہ **زندگی** لاہور

جلد نمبر ۱۵، شمارہ نمبر ۴
۱۹ تا ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء
۱۹ تا ۲۵ صفر ۱۳۹۹ھ

مُدیرِ منتظم : ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی
مُدیر : الطاف حسن قریشی
مُدیرانِ مُعاون : ممتاز عامر، رؤف طاہر

زندگی کا خصوصی انکشاف

کیا بھٹو واقعی بیمار ہے؟

علاج کے بہانے ایک خوفناک سازش

الطاف حسن قریشی کے قلم سے

بگڑا ہوا دانشور جماعتِ اسلامی سے خوفزدہ کیوں؟ اداریہ ۴

برِصغیر کی اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش ۴۰

بروہی کی نئی منطق — ممتاز عامر ۲۰

عوام جیت گئے، شاہ ہار گیا — رؤف طاہر ۹

پہلا پہلا جھوٹ ہے اُس کو یقیں آجائے گا ۱۹

سرورقی کہانی

کمبوڈیا — رُوسی جارحیت کا نیا شکار — عامرہ مجید مفتی ۶

تیسرا قرطاسِ ابیض

"بھارتی شہری" نے پاکستانی خزانہ لوٹ لیا

بھٹو کا سیاہ سیاہ چہرہ ۵۱

ہم شرکت و مضاربت کے اسلامی اصول پر عمل پیرا ہیں ۵۹

یوسی ایف کے پریذیڈنٹ داؤد چودھری سے ایک ملاقات — اسد اللہ غالب

ہمارے نمائندے

اسلام آباد : سید سبط احمد
: فیاض شاہد
آزاد کشمیر / راولپنڈی : طارق محمود طارق
فیصل آباد : محی الدین احمد
رحمٰن بلڈنگ، کچہری بازار، فون ۲۱۲۸۸
گوجرانوالہ : بذل احمد
۵ گوبند گڑھ، اسلامیہ کالج روڈ
کراچی : اکرام غازی ۴۳۵۹۳۳
خالد خلد ۶۱۶۹۸۹
صوبہ سرحد : عبدالہادی احمد
۴-میونسپل فلیٹس - حاجی کیمپ پشاور
صوبہ بلوچستان : مسلم قریشی، کوئٹہ

اندرونِ سندھ

حیدرآباد : محمد موسیٰ بھٹو
بابُ الاسلام پبلی کیشنز، ٹھنڈی سڑک
لاڑکانہ : جی ایچ حیدری
بربھات پبلی کیشنز، بندر روڈ
سانگھڑ : عظمت اللہ عباسی
تھرپارکر : ارباب عبدالمالک انیس

مُستقل کالم نگار

خانی خاں، صادق حسین،
آغا اشرف، عظیم سرور،
نثار الحق۔

بیرونِ مُلک نمائندے

ریاض : پروفیسر عثمان غنی
کویت : سیّد محمد رضوی
دُبئی : منیر احمد خلیلی
پوسٹ بکس نمبر ۶۲۱
ابوظہبی : سکندر ملک
پوسٹ بکس نمبر ۴۴۱۳۷
: بابر سعید ملک
پوسٹ بکس نمبر ۱۵۸۷ - العین
قطر : فضل ہادی سواتی
پوسٹ بکس ۲۱۲ - دوحہ۔

*

کراچی آفس : اشتہارات : مشتاق احمد
۱۸-ڈی بلاک ۲ - شاہراہِ قائدین
بالمقابل پوسٹ آفس، پی ای سی ایچ ایس کراچی ۲۹
فون : ۴۳۶۳۱۴

صحافت ایک بہت بڑی قوت ہے، جو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی
اگر یہ ٹھیک نہج پر ہو تو رائے عامہ کی رہنمائی بھی کر سکتی ہے۔

(قائداعظم)

بگڑا ہوا دانشور جماعتِ اسلامی سے خوفزدہ کیوں؟

پچھلے ہفتے لاہور میں مقامی طلبا کے ایک گروہ نے مبینہ طور پر مسٹر حنیف رامے کی قائم کردہ پاکستان مساوات پارٹی کے صدر دفتر پر حملہ کر کے دفتر کا بورڈ اتار پھینکا اور پارٹی کا پرچم نیچے گرادیا۔ پارٹی کے آفس سیکرٹری کے بیان کے مطابق طلبہ نے دفتر میں گھس کر نہ صرف دیواروں پر لگے ہوئے پارٹی کے پوسٹر پھاڑ دیے، بلکہ پارٹی کے صدر مسٹر حنیف رامے کی تصویر بھی توڑ پھوڑ دی۔ یہ افسوس ناک واقعہ بظاہر مسٹر رامے کی اس غیر محتاط تقریر کا ردِ عمل معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے اس سے ایک روز قبل ملتان میں کی تھی اور جس میں انہوں نے اسلامی شعائر کے بارے میں تضحیک آمیز زبان استعمال کی تھی۔ اگرچہ مسٹر حنیف رامے نے اس ہنگامے کی ذمّہ داری جماعتِ اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ پر عائد کی ہے لیکن اخباری اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس دل آزار تقریر کے خلاف ردِ عمل مسلمانوں کے کسی ایک مکتبہ فکر تک محدود نہیں ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ اس ہنگامے میں ملوث طلبہ کا تعلق کس جماعت یا کس فرقے سے تھا، وطنِ عزیز کے تمام محبِ وطن، مذہبی اور سیاسی حلقوں کو اس قسم کی غنڈہ گردی اور ہنگامہ پروری کی تہِ دل سے مذمت کرنی چاہیئے۔ یہ غیر صحت مند رجحان جمہوری عمل کی نشوونما کے لیے کبھی سود مند ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس سے حقیقی فائدہ صرف فاشسٹ عناصر ہی کو پہنچتا ہے۔

یہ درست ہے کہ دل آزار تقریروں سے جذبات ضرور مشتعل ہوتے ہیں اور زیادہ پُرجوش اور سرپھرے نوجوان اپنے قائدین سے بالا ہی بالا یا ان کے مشورے کے علی الرغم ہوش کے بجائے جوش کی راہ پر چل نکلتے ہیں، لیکن سیاسی اور مذہبی قائدین کا فرض ہے کہ وہ اپنے زیرِ اثر نوجوانوں کو نہ صرف قابو میں رکھیں، بلکہ صحتمند خطوط پر ان کی سیاسی تربیت بھی کریں۔

نوجوانوں کو بھی یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ جذبات کی رو میں بہہ کر وقتی طور پر تو وہ اپنا غصہ نکال لیتے ہیں، لیکن اس سے ردِ عمل کا ایک ایسا خطرناک چکر شروع ہو جاتا ہے جس کا حقیقی فائدہ صرف غیر جمہوری طاقتوں کو پہنچتا ہے۔

محاذ آرائی کی لعنت وطنِ عزیز کو پہلے ہی خاصا نقصان پہنچا چکی ہے اور یہ ملک اب مزید اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے ہم تمام محبِ وطن حلقوں سے پُرخلوص اپیل کریں گے کہ وہ اس رجحان کی نہ صرف مذمت کریں، بلکہ عملاً حوصلہ شکنی کریں۔

جلسوں کو درہم برہم کرنا اور تقریروں کے دوران میں مخالفانہ نعرے بلند کرنا بھی صحت مند جمہوری روایت نہیں ہے۔ مسٹر رامے کو ملتان اور گوجرانوالہ میں اپنی تقریر کے دوران اس صورتِ حال سے بھی دوچار ہونا پڑا اور ان کے جلسے ہنگامہ آرائی کی نذر ہوتے ہوتے رہ گئے، اس سے قبل جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر مولانا شاہ احمد نورانی کے جلسے میں گڑبڑ کی خبریں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ یہ سیدھی سی بات ہے کہ اگر آپ کسی مقرر کو پسند نہیں کرتے، تو اس کے جلسے میں نہ جایئے یا دورانِ تقریر اگر آپ کو مقرر کی کوئی بات ناگوار گزری ہے، تو آپ جلسے سے اٹھ کر چلے جایئے۔ اسی طرح اگر کسی مقرر نے غلط بیانی سے کام لیا ہے، تو آپ جوابی جلسہ کر کے غلطیوں کی نشان دہی کر دیں، لیکن یہ بات کسی طور مناسب نہیں کہ آپ کسی پارٹی کا جلسہ خراب کرنے کی نیت سے جلسے میں شریک ہوں اور ہنگامہ آرائی میں کامیابی کو نفع بخش سودا سمجھنے لگیں۔ اگر یہاں جمہوریت کو پروان چڑھانا ہے، تو ہمیں مخالفین کا نقطۂ نظر سننے اور برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوگا۔ مخالفین کی باتیں خواہ کس قدر کڑوی کسیلی ہوں، جمہوریت کی خاطر ہمیں اختلاف کا حق دینا ہی ہوگا؛ ورنہ یہ حق ہمیں خود بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔

ہمیں افسوس ہے کہ مسٹر حنیف رامے نے اس واقعے کی مذمت کے لیے منعقد کردہ پریس کانفرنس میں جو لب و لہجہ اختیار کیا اور اس سے قبل ملتان کے جلسے میں جو گوہر افشانی کی، اس سے بھی جمہوریت کے کاز کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ مسٹر رامے، اب سیاسی طور پر نابالغ نہیں ہیں۔ وہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کے وزیرِ اعلیٰ رہ چکے ہیں۔ اگرچہ یہ وزارتِ علیا انہیں کسی جمہوری عمل کے نتیجے میں نہیں، بلکہ ایک آمر کی خوش نظری کی بدولت حاصل ہوئی تھی، لیکن بہرحال وہ گزشتہ کئی برسوں سے ملک کی سیاسی زندگی میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مذہب کے بارے میں پاکستانی قوم بڑی حساس واقع ہوئی ہے اور اگر کوئی شخص اس کے معتقدات اور شعائر کو تضحیک کا نشانہ بنانا شروع کر دے، تو اس کا ردِ عمل انتہائی خوفناک ہو سکتا ہے۔ رامے صاحب کے اپنے معتقدات کچھ بھی ہوں، لیکن انہیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ دوسرے لوگ اپنے معتقدات کی تضحیک

رؤف طاہر

عوام جیت گئے، شاہ ہار گیا

امریکی ڈپلومیسی کی ذلت آمیز شکست

ایران میں دہشت و بربریت کا ایک دَور اپنے انجام کو پہنچا، وہ شاہ جس نے خدا کے بندوں پر اپنی خدائی قائم رکھنے کے لئے ہر وہ ستم ڈھایا کہ جس کے تصور ہی سے شرافت اور انسانیت کانپ اٹھتی ہے، جس نے اپنے ہی عوام کو بندوقوں، سنگینوں اور سٹین گنوں کا نشانہ بنانے کے بعد انہیں ٹینکوں تلے روندنے سے بھی گریز نہ کیا، جس نے ایران کے ہر ہر گھر کو ماتم کدہ بنا دیا، آخر اس ذلت آمیز طریقے سے اپنے ملک سے رخصت ہوا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ مظلوم کہ جن کے بھائی بیٹے، بھتیجے اور بھانجے شاہ کی بدترین وحشت و بربریت کا نشانہ بن گئے تھے، جن کے اپنے جسموں پر بھی وحشیانہ ظلم و ستم کے نشانات سجے ہوتے تھے، شاہ کی روانگی کا اعلان سن کر گیت گاتے اور نعرے لگاتے ہوئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ عوام جیت گئے، شہنشاہیت، مطلق العنانیت اپنے تمام تر جبر و استبداد کے ساتھ ہار گئی۔

شہنشاہ کے خلاف عوامی نفرت کے اس سیلِ بے کنار کے نتیجے میں شاہ کے بین الاقوامی دوستوں کی یہ خوش فہمی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی کہ وہاں پر محض متعصب مذہبی عناصر یا سیاسی انتہا پسند ہی شاہ کے مخالف ہیں، حالات نے اس حقیقت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیا کہ شاہ پوری ایرانی قوم کے لئے ناقابلِ برداشت بن گیا تھا۔

نئی صورتِ حال شاہ کے سرپرستِ خاص، امریکہ کے لئے سخت تشویش کا باعث ہے اور آج امریکی حلقوں میں یہ سوالات زیرِ بحث ہیں کہ وہ چند روز قبل تک یہ کیوں سمجھتے رہے کہ شاہ کو اپنے عوام کی بے پایاں تائید و حمایت حاصل ہے؟ ایران میں امریکہ کے تمام مفادات کو محض شاہ کی مفروضہ قوت پر منحصر کیوں کر دیا گیا اور کیا اب بھی کوئی ایسی صورت باقی ہے کہ ایران میں امریکی مفادات کا تحفظ کیا جا سکے؟

شاہ کے ساتھ امریکہ کے تعلقات کی نشوونما میں خود امریکیوں نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہ نے اقتدار محض امریکیوں کے طفیل حاصل کیا تھا۔ سی آئی اے نے ایک انقلاب کے ذریعے وہاں کی آئینی حکومت کا تختہ الٹ کر شاہ کو تختِ اقتدار بخشا، پھر اس کی خفیہ پولیس "ساوک" کو تربیت دی اور شاہ کی پسند کا سیاسی و معاشی ڈھانچہ تشکیل دینے میں بھرپور مدد کی اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے وہ اس غلط فہمی کا شکار رہے کہ شاہ اور ایران لازم و ملزوم ہیں، یہ دونوں ایک ہی ہیں اور اس وسیع و عریض ملک میں اور کوئی حقیقت موجود نہیں۔

سرکاری انٹلی جنس کے علاوہ امریکہ کے اہلِ صحافت بھی ایران میں حقائق کا سراغ لگانے میں ناکام رہے۔ کچھ عرصہ قبل تک امریکی پریس دنیا کو یہی بتاتا رہا کہ ایران میں شاہ کا اقتدار لازوال ہے اور اسے بھرپور عوامی تائید و حمایت حاصل ہے۔ (ملاحظہ ہو "ٹائم" ۵ رجون ۱۹۷۸ء)

حالات کی حقیقی تصویر کشی کے بجائے، صورتِ حال کو بہت مختلف انداز میں پیش کیا جاتا رہا اور اب خود امریکی پریس بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو رہا ہے کہ شاہ کی بلند بانگ اصلاحات کے نتیجے میں زمینوں کی ملکیت میں کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ روز افزوں معاشی مشکلات کا نتیجہ یہ نکلا کہ غریب کاشتکار خاندان بڑی تعداد میں شہروں کا رخ کرنے لگے؛ چنانچہ خوراک کی پیداوار میں شدید کمی واقع ہو گئی اور اس وقت ایران کو اپنی مطلوبہ ضروریات کا ۵۰ فیصد باہر سے درآمد کرنا پڑتا ہے۔ شاہ قومی سرمایے کا عظیم حصہ اسلحہ کی خریداری پر خرچ کرتے رہے۔ (گذشتہ پانچ سال میں بیس بلین ڈالر کا اسلحہ خریدا گیا) اس وقت نجی سرمایے کا ۸۰ فیصد آبادی کے صرف ایک فیصد کے قبضے میں ہے۔

سیاسی طور پر شاہ نے جبر و تشدد کی فرماں روائی قائم کی۔

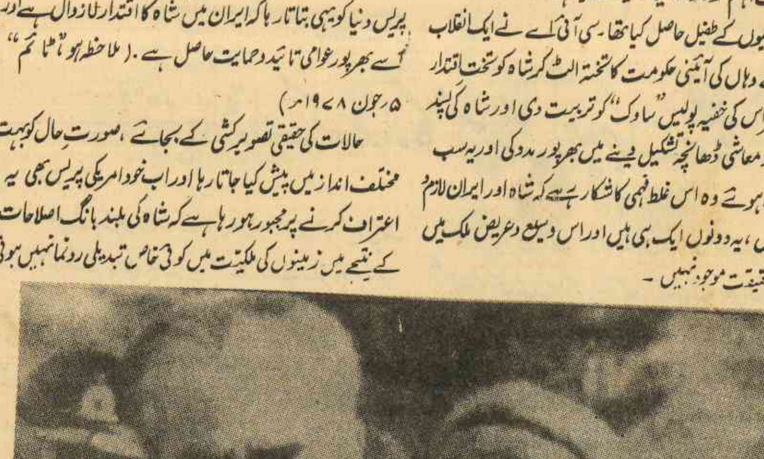

شہنشاہ ایران اور ملکہ فرح منگل کو تہران سے اسوان روانہ ہو رہے ہیں ملک سے روانگی کے وقت ایران کے تاجدار اور ان کی ملکہ دونوں بہت دل گرفتہ تھے۔ (فوٹو بشکریہ اعجاز ہارون)

گذشتہ پچیس سال میں امریکی ڈپلومیٹس نے اس بات کی قطعاً ضرورت محسوس نہ کی کہ ایران میں شاہ کے مخالف افراد سے بھی کوئی رابطہ ہو۔ سی آئی اے نے اہلِ ایران کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے بجائے اپنی تمام تر توجہ شاہ کے اقتدار کے تحفظ پر مرکوز رکھی، پھر آخری ستم ظریفی کے طور پر سی آئی اے کے رچرڈ ہلمز کو ایران میں امریکی سفیر بنا کر بھیج دیا اور اس کے بعد ولیم سلیوان کو جو انڈوچائنا میں امریکی پالیسی کی ناکامی میں برابر کا ذمہ دار تھا۔ ان حقائق کی موجودگی میں صدر کارٹر کا یہ کہنا ایک مذاق سے زیادہ کیا حیثیت رکھتا ہے کہ ایران میں ان کی مناسب انٹلی جنس نہیں تھی

ہفت روزہ زندگی لاہور ۱۹ تا ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء

ہزاروں کی تعداد میں انسان، محض شاہ کی مخالفت کے شبہے میں اس کی خفیہ پولیس "ساوک" کے بدترین مظالم کا نشانہ بنے "ساوک" نے اپنے ہی ہموطنوں پر جو ستم ڈھائے، جس بربریت کا مظاہرہ کیا، اس کے تصور ہی سے لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

ان سیاسی، اقتصادی اور انسانی اسباب کے نتیجے میں شاہ کے خلاف نفرت کا لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا۔ اگرچہ شاہ کے مخالفین میں کچھ انتہا پسند بھی ہیں، لیکن ان افراد کی تعداد کہیں زیادہ ہے، جو اعتدال پسند ہیں اور اگر اہلِ امریکہ، انہیں نظر انداز نہ کرتے ان کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار نہ ہوتے اور ان کے وجود سے آنکھیں بند نہ کئے رکھتے، تو آج ان میں امریکہ کے خلاف ناپسندیدگی کے جذبات اتنے شدید نہ ہوتے۔

ایران میں اس عوامی تحریک کے دوران امریکہ میں ایک نکتہ نظر یہ بھی رہا کہ امریکہ کو شاہ کی بھرپور امداد کرنی چاہیے، اپوزیشن کو کچل ڈالنا چاہیے، کیونکہ اس علاقے میں استحکام کی آخری امید شاہ کی ذات سے وابستہ ہے۔ امریکہ کی سابق حکومت کے وزیرِ خارجہ ہنری کسنجر اسی مؤقف کے حامی ہیں، انہوں نے حال ہی میں کہا کہ ایران میں دائیں اور بائیں بازو کے عناصر اس لئے شاہ پر حملہ آور ہیں کہ اس نے ایران کو جاگیرداری کی لعنت سے نکال کر جدید دور میں ڈال دیا ہے۔ کسنجر کے خیال میں صدر کارٹر کی بنیادی حقوق کی مہم نے بھی شاہ کو بہت نقصان پہنچایا، صدر کارٹر کے "بنیادی حقوق" نے امریکہ کے بیشتر دوستوں کے لئے مشکلات پیدا کر دی ہیں اور یہ ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے مترادف ہے۔

نیویارک ٹائمز کی یکم جنوری کی اشاعت میں انتھونی لیوئیس نے ایران کی تازہ ترین صورتِ حال کے حوالے سے امریکی مفادات کا ذکر کرتے ہوئے ہنری کسنجر کے اس مؤقف پر شدید نکتہ چینی کی۔ انتھونی لیوئیس کے الفاظ میں: "ایران سے آج بھی امریکہ کے بہت سے معاشی اور خارجی مفادات وابستہ ہیں، لیکن ان مفادات کے تحفظ کے لئے وہ لائحہ عمل قطعاً مناسب نہیں جو ہنری کسنجر نے تجویز کیا ۔۔۔ ہمیں شاہ کو یہ مشورہ دینا چاہیے تھا کہ وہ اسلحہ کی وسیع خریداری پر بے پناہ رقم خرچ کرنے کی نسبت اپنی زراعت کی جانب زیادہ توجہ دے۔ ہمیں اسے رغبت دلانا چاہیے تھی کہ وہ جتنی جلد ممکن ہو، عوام کو ان کے سیاسی اور انسانی حقوق دے دے۔ مسٹر انتھونی کے خیال میں امریکہ شاہ سے رسمی اظہارِ لاتعلقی نہیں کر سکتا، وہ ایک آئینی حکومت کی تشکیل میں تعاون ہی کر سکتا ہے۔ امریکہ کے لئے ایران کی اعتدال پسند اپوزیشن کا اعتماد حاصل کرنا، شاید ابھی ممکن نہ ہو، "ساوک" کے انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بننے والے عوام، یہ تنظیم قائم کرنے والوں پر اتنی جلدی کیسے اعتماد کر سکتے ہیں، لیکن امریکیوں کو اس سلسلے میں اپنی سی کوششیں جاری رکھنی چاہیئیں۔"

●●

عالمِ عرب میں

ذہین افراد کے فرار کا مسئلہ حل ہو جائے گا

ترقی پذیر ممالک کے ذہین اور باصلاحیت افراد کی مغربی ممالک میں منتقلی کو روکنے کے لیے ایک عرب تحقیقاتی ادارے نے پروگرام بنا لیا ہے۔ لیبیا میں واقع عرب ڈویلپمنٹ انسٹی ٹیوٹ کو یقین ہے کہ اس وقت مغرب میں کام کرنے والے عرب ممالک اور تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں کے اعلیٰ درجے کے سائنسدانوں کی دلکشی کے لیے اس کے پاس سہولتیں بھی ہیں اور وسائل و ذرائع بھی۔

۱۹۷۴ء میں رباط میں منعقد ہونے والی عرب سائنس منسٹرز کی کانفرنس میں یہ پروگرام طے پایا کہ لیبیا میں ایک سائنسدانوں کا شہر تعمیر کیا جائے۔ بعد میں بعض عرب ممالک اس پروگرام سے دستبردار ہو گئے۔ ان میں سے کچھ اس لیے کہ وہ اپنے سائنسدانوں کو اپنے ہی ملک میں رکھنا چاہتے تھے اور بعض ممالک اس پروگرام پر اٹھنے والے کثیر اخراجات کی بنا پر الگ ہو گئے، چنانچہ لیبیا نے خود ہی اس پروگرام کا چھوٹے پیمانے پر آغاز کر دیا اور اس کے نتیجے میں عرب ڈویلپمنٹ انسٹی ٹیوٹ (ADI) کا قیام عمل میں آیا۔

اس وقت تیسری دنیا سے کوئی ستر کے قریب سائنسدان اس انسٹی ٹیوٹ میں کام کر رہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا ماہانہ معاوضہ کم از کم ۵۶۸ ڈالر ماہانہ ہے اور اس کے علاوہ ان پر ایسی کوئی پابندی بھی نہیں کہ وہ اس انسٹی ٹیوٹ میں ہونے والی ریسرچ کے علاوہ کسی اور منصوبے پر کام نہیں کر سکتے۔

اس انسٹی ٹیوٹ سے متعلق ایک سینئر سائنسدان ڈاکٹر عمر ابراہیم الفاضلی نے کہا "ہم ریسرچ کو بہت اعلیٰ درجے پر لے جانا چاہتے ہیں اور ہمارے سامنے بنیادی مقصد ریسرچ ہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم اعلیٰ پائے کے سائنسدانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ وہ اگر چاہیں تو کسی یونیورسٹی میں پڑھا بھی سکتے ہیں، لیکن ہم ان سے ایسی توقع نہیں رکھتے۔"

خالص سائنسز پر کام ہونے کے علاوہ اس انسٹی ٹیوٹ میں "سوشل سائنسز" پر بھی کچھ کام ہو رہا ہے۔ ان "سوشل سائنس والوں" کے ذمے زیادہ تر کام "افریقہ ڈیٹا بنک" کی تشکیل کے لیے ہر افریقی ملک کے متعلق مفصل سیاسی اور معاشی سروے کی تیاری ہے۔ اس سلسلے میں زائرے اور موریطانیہ کے متعلق کتابیں شائع بھی ہو چکی ہیں اور باقی ممالک کے متعلق کام کی منصوبہ بندی زیرِ غور ہے۔ اس وقت انسٹی ٹیوٹ کے "سٹریٹیجک سٹڈیز سنٹر" کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ عرب سیاسی اتحاد کی ناکامی کے اسباب کا جائزہ لے۔

اس انسٹی ٹیوٹ کی ایک اور غیر معمولی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی سرگرمیاں کسی متعین بجٹ کے بغیر جاری ہیں۔ اس کے مالی وسائل اتنے زیادہ ہیں کہ ڈائریکٹر حضرات اپنا وقت مختلف مدات کے لیے رقم کے تعین پر ضائع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ڈاکٹر کمال الدین حسن کے مطابق ان کے ہاں کام کرنے والے سائنسدانوں کو مالیات کے متعلق فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ "اصل چیز ریسرچ ہے، بجٹ کی پابندیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔" پھر یہاں پر کام کرنے والے سائنسدانوں کو کتابچوں کی اشاعت کے بارے میں بھی فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ انسٹی ٹیوٹ کا اپنا پریس بیروت میں موجود ہے جہاں سے ہر پندرہ روز بعد ایک سائنسی جریدہ نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ گزشتہ دو سالوں کے دوران میں طرابلس میں ہونے والی اس ریسرچ پر مبنی ۳۵ کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔

اتنی مضبوط بنیادوں پر قائم اس انسٹی ٹیوٹ کے ذیلی ادارے بیروت، بغداد، لندن، واشنگٹن اور بعض دوسری یونیورسٹیوں میں بھی کام کر رہے ہیں اور وہاں اس ادارے کے براہِ راست مالی اخراجات کی بنیاد پر مختلف منصوبوں پر عمل ہو رہا ہے۔

"ایک دن ہر عرب دارالحکومت میں ہماری شاخیں قائم ہو جائیں گی"۔ عرب ڈویلپمنٹ انسٹی ٹیوٹ کے ایک سینئر ممبر نے کہا "ہم بڑے صنعتی ممالک کے دارالحکومتوں میں بھی اپنے ذیلی ادارے قائم کریں گے اور یوں ہم دنیائے سائنس کے متعلق نئی نئی معلومات سے بھی بہرہ مند ہوتے رہیں گے اور بیرون میں ہماری شاخیں ان سائنسدانوں کے لیے جو غیر ترقی یافتہ ممالک میں آکر اپنے اہلِ وطن کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، ریکروٹنگ سنٹر کا کام بھی دیں گی۔ ماضی میں ان سائنسدانوں کی واپسی میں ایک رکاوٹ ان کا یہ احساس رہا ہے کہ اس سے ان کی ریسرچ اور اہلِ خانہ مالی لحاظ سے متاثر ہوں گے، لیکن ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ انہیں بہتر متبادل مہیا کر سکیں۔"

●●

جملہ حقوق محفوظ

زندگی کا خصوصی انکشاف

الطاف حسن قریشی نے لکھا۔

کیا بھٹو واقعی بیمار ہے؟

علاج کے بہانے ایک خوفناک سازش

دستاویزی ثبوت اور مصدقہ حقائق

مسٹر بھٹو اپنے عہدِ اقتدار میں سب سے زیادہ صحت مند حکمران کی حیثیت سے پیش کیے جاتے رہے۔ اُن کے بارے میں بعض معالجین نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم نے پہلی بار اس قدر تندرست اور توانا صدر اور وزیراعظم دیکھا ہے، مگر یہ عجب معاملہ ہے کہ اسیر ہوتے ہی اُن پر بیماریوں کا اس قدر حملہ ہوا کہ ایک دو اخبارات کے مطابق اُن کی زندگی شدید خطرے میں پڑ گئی۔ پھر یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے اُن کی صحت اور علاج کا غیر معمولی خیال رکھا اور اُن کو علاج کی فراخدلی سے سہولتیں دیں اور مسٹر بھٹو کے سابق منصب کا حد سے زیادہ خیال رکھا۔ وہ اگرچہ جیل میں ایک مجرم کی حیثیت سے بند ہیں، مگر اُن کو جو آسائشیں اور سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں اُن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

قیدی کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہو جانا فطری سی بات ہے۔ ڈاکٹر بھی یہی سوچتے ہیں کہ اسیر کو زیادہ سے زیادہ آرام پہنچایا جائے اور عدالتوں کا طرزِ عمل بھی ہمدردانہ ہی ہوتا ہے۔ جیل کے حکام بھی حسنِ سلوک سے پیش آتے ہیں۔ بالعموم یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جن بیماریوں کا علاج قیدی جیل سے باہر نہیں کرا سکتا، اُن کا علاج قید کے دوران میں ہوتا رہتا ہے۔ اس انداز کی رعایت اچھی حکومتیں دیتی رہی ہیں۔

مسٹر بھٹو جنہوں نے اپنے عہدِ حکومت میں اپنے سیاسی مخالفین سے تنگ دلی کا سلوک روا رکھا اور انہیں غیر انسانی ظلم و تشدد سے دوچار کیا، آج کل خود جیل کے اندر بند ہیں۔ انہیں جیل کی تکلیفوں کا احساس نہیں ہو سکتا، کیونکہ اُن کو شہزادوں کی طرح رکھا گیا ہے۔ انسانی زاویے سے اُنہیں علاج معالجے کی ساری جائز سہولتیں ملنی چاہئیں، مگر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اُن کو جو غیر معمولی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں، وہ آئندہ مسائل تو پیدا نہیں کریں گی اور بھٹو صاحب پر بیماریوں کے غیر معمولی حملے اور اس ضمن میں ایک حلقے کا غیر معمولی شور پکار کسی اور مقصد کے لیے تو نہیں۔ حالات اور واقعات کی کڑیاں ملانے سے ایک غیر معمولی صورتِ حال سامنے آتی ہے اور بعض موڑ تو بڑے ہی خطرناک ہیں۔

مسٹر بھٹو جس انداز سے اپنی پسند کے ڈاکٹروں کا مطالبہ کرتے آتے ہیں اور اس مطالبے کو بعض اخبارات و جرائد نے جو شکل دے دی ہے اور اس مطالبے کے جلو میں جو درپردہ سرگرمیاں جاری و ساری ہیں، اُن کو معمول کے واقعات قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اس حقیقت کا اعادہ بظاہر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قانون کی نظر میں سارے شہری، سارے ملزم اور سارے مجرم یکساں ہیں، اُن کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک ہونا چاہیے۔ قانون جس کو جو مقام اور رعایت دیتا ہے، اُسے پیشِ نظر رکھا جائے اور کسی سے زیادتی نہ کی جائے، مگر مسٹر بھٹو کے ساتھ تمام قوانین سے بالاتر نہایت غیر معمولی سلوک روا رکھا جا رہا ہے اور اُن کی مرضی کے عین مطابق سارے راستے کھول دیے گئے ہیں۔ ان راستوں کے ذریعے کوئی سازش بھی پرورش پا سکتی ہے اور خاموشی سے بے پناہ نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ ایسا نقصان جس کی تلافی شاید ممکن ہی نہ ہو۔

میرے سامنے ۱۶ جنوری کا اخبار کھلا ہے۔ اس میں مسٹر بھٹو کے ڈاکٹری معائنے کی ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے، جس میں درج ہے کہ مسٹر بھٹو نے سرکاری ڈاکٹر کو خون کا نمونہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس اخباری رپورٹ کے ضروری اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں آج پیتھالوجسٹ ڈاکٹر زینت حسن نے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کا معائنہ کیا اور ٹیسٹ کے لیے خون حاصل کیا۔ اس موقع پر جیل کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر یار محمد دریانہ اور سنٹرل گورنمنٹ ہسپتال کے پیتھالوجسٹ ڈاکٹر خالد موجود تھے، مسٹر بھٹو نے ڈاکٹر خالد کو خون کا نمونہ دینے سے انکار کر دیا۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ڈاکٹر زینت حسن پاکستان پیپلز پارٹی کے سابق سیکرٹری جنرل اور سابق وزیر ڈاکٹر مبشر حسن کی اہلیہ ہیں اور انہیں مسٹر بھٹو کے اصرار پر ان کا معائنہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔

(نوائے وقت۔ ۱۶ جنوری ۱۹۷۹ء)

دوسرے روز اسی ضمن میں ایک رپورٹ اور شائع ہوئی۔ ہم اپنے قارئین کی دلچسپی اور معاملات کی تہ تک پہنچنے کے لیے نقل کرتے ہیں۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے ذاتی معالج ڈاکٹر ظفر نیازی نے وضاحت کی ہے کہ گزشتہ روز سرکاری پیتھالوجسٹ مسٹر خالد کو پیشکش کی گئی تھی کہ ڈاکٹر زینت حسن نے مسٹر بھٹو کا خون مختلف معائنوں کے لیے حاصل کیا ہے، اُس میں سے آدھا خون وہ بھی لے لیں، تاکہ وہ اپنے طور پر بھی اس خون کا الگ معائنہ کر سکیں۔ ڈاکٹر ظفر نیازی نے بتایا کہ مسٹر خالد خود مسٹر بھٹو کا خون لینا چاہتے تھے جس پر مسٹر بھٹو نے کہا کہ ایک ہی مقصد کے لیے دو بار الگ الگ خون لینا غلط ہوگا، کیونکہ کسی مریض کو بار بار سوئی چبھونا زیادتی کے مترادف ہے۔ ڈاکٹر نیازی نے مزید بتایا کہ بعض اخبارات میں شائع ہونے والی یہ خبر غلط ہے کہ مسٹر بھٹو نے سرکاری پیتھالوجسٹ کو خون مہیا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

(نوائے وقت۔ ۱۷ جنوری ۱۹۷۹ء)

ان دو رپورٹوں سے یوں تو کئی باتیں سامنے آتی ہیں، مگر دو امور خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ڈاکٹر زینت حسن، ڈاکٹر مبشر حسن کی اہلیہ ہیں اور اس اعتبار سے ایک مخصوص سیاسی پس منظر رکھتی ہیں اور اسی بنا پر مسٹر بھٹو نے ان کو بلانے پر بصد اصرار کیا۔

دوسری قابلِ غور بات ڈاکٹر نیازی کا وضاحتی بیان ہے۔ وہ مسٹر بھٹو کے خون کا نمونہ لیتے وقت موجود نہ تھے، مگر انہوں نے جس انداز میں وضاحت جاری کی ہے، اس سے حکومت کے ساتھ محاذ آرائی کا رنگ جھلکتا ہے اور انہوں نے سرکاری پیتھالوجسٹ اور غیر سرکاری پیتھالوجسٹ کی بحث چھیڑ دی ہے اور مسٹر بھٹو کے سیاسی ترجمان کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

کیا ایک ڈاکٹر کو یہ سیاسی رول اختیار کرنا چاہیئے، ہمارے نزدیک یہ سوال غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

ایک قیدی کے ساتھ ڈاکٹر کی انسانی ہمدردی اور چیز ہے اور سیاسی مقصد براری بالکل ہی دوسری چیز۔ واقعات کے گہرے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر نیازی مسٹر بھٹو کے ذاتی معالج بن جانے کے پردے میں کوئی اور ہی کھیل کھیل رہے ہیں اور مختلف کردار اس طرح جمع کر لئے گئے ہیں کہ حالات ان کے منشا کے مطابق آگے بڑھ سکتے ہیں۔

مسٹر بھٹو جب اقتدار میں تھے، تو ان کے بارے میں ان کے دوست اور ان کے مخالف ایک بات پر متفق تھے کہ وہ بلا کی ایکٹنگ کرتے ہیں اور سیاسی مقاصد کے لئے بڑے سے بڑا جھوٹ بول جاتے ہیں۔ کردار کے اس کھلے تجزیے کی روشنی میں یہ کہنا کچھ زیادہ غلط نہ ہوگا کہ وہ جیل میں بھی ایکٹنگ کرتے رہے ہیں اور اسی ایکٹنگ کے ذریعے وہ ایک طے شدہ مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، پھر انہوں نے ڈاکٹر نیازی کو اپنے علاج کے لئے خاص طور سے منتخب کیا۔ ڈاکٹر نیازی کے بارے میں ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ پیپلز پارٹی کے سب سے اہم آدمی ہیں۔ ان کی ہمدردیاں اور ان کی سرگرمیاں ایک مدت تک موضوعِ بحث بنی رہیں اور آج بھی زیرِ بحث آتی ہیں۔ ان کے بارے میں اس انداز کی رپورٹیں شائع ہوتی رہیں کہ ان کے غیر ملکی سفیروں کے ساتھ خفیہ تعلقات ہیں۔ یکم مئی ۱۹۷۰ء کو وہ تخریب کاری کے الزام میں مارشل لاء کے تحت گرفتار ہوئے تھے۔

ایک ڈاکٹر کے بھی سیاسی عقائد ہو سکتے ہیں اور ان عقائد سے پیشے کی عزت و احترام پر حرف نہیں آتا۔ حرف اسی وقت آتا ہے، جب ڈاکٹر اپنے پیشے اور اخلاق کے جملہ تقاضے بالائے طاق رکھ کر غیر پسندیدہ افعال میں ملوث ہو جائے۔ کیا ڈاکٹر نیازی اس زمرے میں آتے ہیں؟ ہم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے، مگر ان کے بعض رویوں سے شکوک و شبہات کو تقویت ملتی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر نیازی کو جیل سے باہر لانے کی غرض سے مسٹر بھٹو نے دانتوں کی بیماری کا بہت ہی زیادہ واویلا مچایا اور روزنامہ مساوات نے جلی سرخیوں میں یہ مطالبہ شائع کیا کہ مسٹر بھٹو کے دانتوں کا علاج ان کے ذاتی معالج ڈاکٹر نیازی ہی کو کرنا چاہیئے۔ اس نوع کے مطالبات اٹھائے جاتے رہے۔ انہی دنوں ڈاکٹر نیازی ضمانت پر رہا ہو گئے۔ ان کی رہائی ۱۱ نومبر کو عمل میں آئی۔ فوراً ہی بعد نصرت بھٹو نے بیان دیا کہ چیئرمین انتہائی کمزور ہو گئے ہیں، مناسب علاج نہیں ہو رہا اور چونکہ ڈاکٹر نیازی رہا ہو چکے ہیں، اس لئے ان کو علاج کرنے پر مامور کیا جائے۔

اس بیان کے دو ہی روز بعد روزنامہ "مساوات" نے عدالتِ عظمٰی کے حوالے سے بہت بڑی سرخی جمائی:۔

مسوڑوں میں پیپ پڑ گئی۔ حکام نے ڈاکٹر نیازی کو علاج کی اجازت نہیں دی۔

چیئرمین بھٹو تین روز سے کچھ نہ کھا سکے۔

عدالتِ عظمٰی نے سرکاری وکیل کو اس ضمن میں فیاضانہ

مسوڑوں میں پیپ پڑ گئی۔ حکام نے ڈاکٹر ظفر نیازی کو علاج کی اجازت نہیں دی

چیئرمین بھٹو تین روز سے کچھ نہیں کھا سکے

حکومت سے پوچھ کر بتائیں کہ اسے ڈاکٹر نیازی سے علاج پر کیا اعتراض ہے

سرکاری وکیل کو چیف جسٹس کی ہدایت

مسٹر بھٹو کو کھانے میں کوئی تکلیف نہیں

ڈاکٹر نیازی کے اُستاد ڈاکٹر چیمہ کی رپورٹ

DR. NIAZI AND ASSOCIATES

M. Z. K. NIAZI
B D.S., F.I C.D.

GENERAL DENTISTRY

To,
The Registrar,
Supreme Court,
Rawalpindi.

24.11.1978

Dear Sir,

In pursuance of the Order of the Supreme Court, I examined Mr. Zulfikar Ali Bhutto today, 24th November 1978 at 11.30 a.m in his Death Cell in the Rawalpindi District Jail. The diagnostic examination and superficial cleaning lasted three hours. Apart from visual examination, I have also taken smears for bacteriological examination.

Mr. Bhutto has been my patient for the past twelve years. When I first examined Mr. Bhutto in 1967, he was suffering from chronic periodontitis with frequent superimposition of streptocochal and fusospirochetel infections, as a consequence of which he was prone to frequent swelling of gums accompanied with fever. He was in need of periodontel surgery, but due to his political engagements this was somehow never undertaken. As a second alternative, the condition was kept under constant control by conservative means i.e constant prophylactic care by means of which the infection was kept in abeyance.

When Mr. Bhutto was arrested in September 1977, a request was made by his family to permit him to continue his dental treatment at the cost of the family. This permission was granted and I was given permission to treat Mr. Bhutto in the Kot Lakhpat Jail, Lahore on several occasions. My last visit to Kot Lakhpat Jail took place on the 14th of April 1978. By that time, despite the elementary care being given to him, Mr. Bhutto's gums were again showing signs of infection, due large y to general debilitation. Results of these examinations carried out in the Kot Lakhpat Jail were incorporated in the record of the jail.

There has been an alarming deteriorati n in Mr. Bhutto's periodontel condition during the seven and a half months that have lapsed since I last examined him on the 14th of April 1978. Today's clinical examination has revealed acute Periodontitis with profuse bleeding and pus pockets. As a result of this condition Mr. Bhutto

24TH STREET, SHALIMAR 6–2, ISLAMABAD Phone: 26677

DR. NIAZI AND ASSOCIATES

M. Z. K. NIAZI
B.D.S., F.I.C.D.

GENERAL DENTISTRY

has been experiencing grave difficulty in mastication for the last several months and is at present finding it practically impossible to swallow even very soft food. It is pertinent to point out here that the oral tissues are sensitive indications of the general health of the individual, and the changes in these structures are frequently the first indication of subclinical symptoms of systemic changes. Mr. Bhutto's general physical condition appears to me to be precarious and though I am not in a position to diagnose the cause of this debilitation, I can be of tremendous help to his physician if I am allowed to examine him along with a physician.

Incorder to arrest the infection of the gums and to halt a further deterioration in the periodontel condition the following treatment is advised:

Immediate deep currettage of the gums. In the initial examination I was able to give him only superficial prophylaxis. It will not be possible to perform deep currettage until the acute condition has resolved. For this, it is requested that I may be permitted to see Mr. Bhutto in three days time so as to assess the condition.

So as to determine the extent of bone loss and to detect dental decay, if any, dental X-rays will be needed. Should the condition persist, periodontal surgery will be necessary.

Keeping in view Mr. Bhutto's acute periodontel condition, I emphasise that satisfactory dental treatment can only be provided in the dental clinic. If, however, that cannot be arranged, permission may kindly be granted me to install equipment in the jail premises. It may be mentioned here that I had installed a dental unit in Kot Lakhpat Jail, Lahore last year. Nonetheless, I would like to repeat that the proper dental care of which Mr. Bhutto is in urgent need can only be furnished in a proper dental clinic. Furthermore, X-rays may not be possible in the jail premises.

In view of the fact that Mr. Bhutto has been my patient for a long period of time and that his present condition requires immediate and expert care, I may kindly be allowed, purely on professional grounds, to provide him with continuous and unhampered dental treatment, of which he is in dire need.

Thanking you,

Yours truly,

(Dr. M.Z.K. Niazi)

Copy forwarded to:
1. Home Secretary Punjab
through Superintendant
District Jail, Rawalpindi.
2. Superintendant
District Jail, Rawalpindi.

24TH STREET, SHALIMAR 6-2, ISLAMABAD Phone: 26677

ہدایات جاری کیں جن کے نتیجے میں ڈاکٹر نیازی مسٹر بھٹو تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے، انہوں نے ۲۴ نومبر کو دانتوں کا معائنہ کیا اور حکومت کو ایک طویل رپورٹ ارسال کر دی جس کے اہم مندرجات اگلے روز مساوات میں نمایاں طور پر شائع کئے گئے، اس رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر نیازی نے ساڑھے تین گھنٹے تک چیئرمین بھٹو کے دانتوں کا معائنہ کیا اور دانتوں سے پیپ اور خون صاف کیا۔

ہم ڈاکٹر نیازی کی مکمل رپورٹ شائع کر رہے ہیں، کیونکہ اسے آگے چل کر مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

اس طویل رپورٹ میں مندرجہ ذیل اہم نکات بیان ہوئے ہیں:

۱۔ میں نے مسٹر بھٹو کے دانتوں کی صفائی تین گھنٹے تک کی۔

۲۔ بکٹیریا کے طبی تجزیے کے لیے مسٹر بھٹو کا لعاب لیا گیا ہے۔

۳۔ مسٹر بھٹو میرے بارہ سال سے زیر علاج ہیں۔ ان کے مسوڑوں کی سرجری درکار تھی، مگر اُن کی بے پناہ مصروفیت کی بنا پر وہ نہ کی جاسکی۔ اُن کے مسوڑے پھول جایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے انہیں بخار ہو جانے کا بھی امکان تھا۔ میں نے مختلف طریقوں سے مرض پر قابو رکھا۔

۴۔ میں نے مسٹر بھٹو کے دانتوں کا کوٹ لکھپت جیل میں پہلی بار ۱۴ اپریل ۷۸ء کو معائنہ کیا۔ علاج کے باوجود اُن کے مسوڑوں میں انفکشن کے آثار موجود تھے۔

۵۔ گزشتہ ساڑھے سات ماہ میں مسٹر بھٹو کے دانتوں میں بڑی خرابی پیدا ہوگئی ہے، خون اور پیپ جمع ہوگئی ہے، دانتوں اور مسوڑوں کی حالت کچھ اس قدر زوال پذیر ہے کہ وہ نرم غذا بھی نہیں چبا سکتے۔

۶۔ ایک انسان کے منہ کی اندرونی حالت سے باقی جسم کے بارے میں صحیح اندازے لگائے جاسکتے ہیں۔ مسٹر بھٹو کی عام جسمانی حالت مجھے نازک نظر آتی ہے اور اگر مجھے فزیشین کے ساتھ آنے کی اجازت دی جائے، تو میں عام جسمانی صحت کو بہتر بنانے میں کافی کچھ کرسکتا ہوں۔

۷۔ مسوڑوں کی حالت کا جائزہ لینے کے لیے مجھے تین دن کے اندر اندر مسٹر بھٹو کا معائنہ کرنے کی اجازت دی جائے۔

۸۔ ہڈیوں اور دانتوں کے نقصانات کا جائزہ لینے کے لیے ایکسرے کی ضرورت ہے، جو جیل کے اندر نہیں ہوسکتے۔

۹۔ مسٹر بھٹو کے دانتوں کی حالت بڑی ہی خراب ہے اور صحیح علاج کلینک ہی میں ہوسکتا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو مجھے جیل ہی کے اندر اکوپمنٹ لگانے کی اجازت دی جائے۔ میں نے کوٹ لکھپت جیل میں بھی اکوپمنٹ نصب کرلیا تھا۔

۱۰۔ مسٹر بھٹو کے دانتوں کو ایک ماہر معالج کی ضرورت ہے اور چونکہ میں اُن کا طویل مدت سے علاج کرتا رہا ہوں، اس لیے کسی رکاوٹ کے بغیر مجھے علاج کرنے کی اجازت دی جائے۔

اس ایک رپورٹ میں تین کڑیاں تخلیق کرلی گئی ہیں:
پہلی کڑی ڈاکٹر نیازی کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ جیل ہی کے اندر اکوپمنٹ نصب کر دیا جائے اور اُن کا مسٹر بھٹو سے مسلسل رابطہ قائم رہے اور اس رابطے کے ذریعے آگے کی منزلیں طے کی جائیں۔

دوسری کڑی فزیشین کی تیار کی گئی ہے۔ اس فزیشین کے ساتھ ڈاکٹر نیازی کا آنا ازبس ضروری ہے، کیونکہ وہ ڈینٹل سرجن کی حیثیت میں عام جسمانی صحت کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ اس منصوبے کے تحت اپنی پسند کا ایک فزیشن بھی لایا جا سکتا ہے، کیونکہ مسٹر بھٹو اس بات پر اصرار کریں گے کہ اُن کی پسند کا ڈاکٹر ہی اُن کا علاج کرسکتا ہے۔

تیسری کڑی لعاب کے طبی تجزیے سے فراہم کی گئی ہے۔ لعاب جس کا نمونہ ڈاکٹر نیازی نے خود حاصل کیا، وہ طبی تجزیے کیلئے زینت کلینک لاہور بھیجا جائے گا اور یوں ڈاکٹر زینت حسن کو بھی اپنے ساتھ شامل کیا جاسکتا ہے اور اُن کی رپورٹ پر فزیشین ایک خاص سمت میں پیش قدمی کرسکتے ہیں۔

ڈاکٹر نیازی کی رپورٹ کے بارے میں ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ جو شخص بارہ برس سے ایک بیماری میں مبتلا ہے اور ان بارہ برسوں میں مسوڑوں کا آپریشن نہ ہو سکا اور پھر بھی مریض غیر معمولی مستعد سیاسی زندگی گزارتا رہا، تو اچانک اس بیماری نے چند ماہ میں بڑی ہی نازک صورت کیسے اختیار کرلی۔ اگر وہ بیماری فی الواقع خطرناک تھی اور وہ جان لیوا ثابت ہوسکتی تھی، تو اسے اتنی لمبی مدت تک باقی کیوں رہنے دیا گیا؟ ان صورتوں میں سے ایک ہی صورت ممکن ہے کہ بیماری معمولی سی ہے، مگر اب اُسے سیاسی مصلحتوں کی خاطر بڑھا چڑھا کر بیان کیا جا رہا ہے۔ ویسے بھی دو چار روز اگر برش نہ کیا جائے، تو مسوڑوں میں مواد جمع ہو جاتا ہے۔

منصوبے کے عین مطابق تین روز بعد ڈاکٹر نیازی مسٹر بھٹو کے دانتوں کا معائنہ کرنے گئے اور مژدہ سنایا کہ اب اُن کی حالت قدرے بہتر ہے۔ دو روز بعد یعنی ۲۹ نومبر کو انہوں نے حکومت کو ایک اور رپورٹ بھیجی، جسے ڈاکٹر زینت حسن کی رپورٹ آجانے کے بعد تیار کیا گیا تھا۔ دوسری رپورٹ میں بڑی بڑی باتیں یہ ہیں:

یہ رپورٹ روزنامہ مساوات میں تفصیل سے شائع کر دی گئی تھی۔

۱۔ مسٹر بھٹو کی بیماری کے نتائج پریشان کن ہوں گے۔

۲۔ انہیں پیپ پیدا کرنے والے خطرناک جراثیم کی بیماری لاحق ہوگئی ہے۔

۳۔ اس بیماری کا نام سٹیفلوکوکس پائیوجینز ہے۔ اس سے فاسد مادہ خون میں داخل ہو کر سارے خون کو متاثر کرسکتا ہے۔

۴۔ مسٹر بھٹو قولنج کے درد کی بھی شکایت کرتے ہیں۔

۵۔ انتڑیوں کی سوزش کا بھی امکان ہے۔

فزیشین کے ساتھ ڈاکٹر نیازی کو بھی بھٹو سے ملنے کی اجازت دی جائے۔

اس رپورٹ کے ساتھ ہی ڈاکٹر زینت حسن کی رپورٹ منسلک ہے۔ اس رپورٹ میں سب سے اہم تجویز یہ ہے کہ بھٹو کے خون کا معائنہ کرایا جائے تاکہ مسوڑھوں میں خون کے جمنے کی وجہ معلوم ہوسکے۔ اسباب کی تحقیق کے لیے تیرہ ٹیسٹ تجویز کئے گئے ہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسٹر بھٹو کے لعاب کا نمونہ ڈاکٹر نیازی نے خود لیا تھا اور وہ پیتھالوجسٹ نہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ جس ٹیوب میں لعاب راولپنڈی سے لاہور بھیجا گیا، اُس کو جراثیم سے محفوظ رکھنے کا کیا اہتمام کیا گیا تھا۔

دوسری رپورٹ میں ان گنت خطرات کا اظہار کیا گیا تھا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ مسٹر بھٹو حکام کی بے احتیاطی اور عدم توجہی کے سبب صحت کے اعتبار سے نہایت خطرے میں ہیں۔

غالباً حکومت نے اس پریشان کن رپورٹ کے پیشِ نظر پاکستان کے واحد ڈینٹل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر سلیم چیمہ کو بھٹو کے معائنے پر مامور کیا اور وہ ڈاکٹر نیازی کے ہمراہ راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل میں گئے اور مسٹر بھٹو کے دانتوں کا تفصیلی معائنہ کیا۔ ڈاکٹر نیازی اپنی ہر رپورٹ شائع کروا دیتے تھے، مگر ڈاکٹر سلیم چیمہ نے اپنے پیشے کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے کوئی بات افشا نہ کی اور اخبارات میں صرف ایک ہی رُخ آتا رہا۔ ڈاکٹر سلیم چیمہ مسٹر بھٹو

New Principal of De'Montmorency College appointed

BY A STAFF REPORTER

Dr. M. Saleem Cheema, Professor of Oral Surgery, has been appointed Principal, de'Montmorency College of Dentistry, Lahore.

Dr. Cheema passed his final BDS with distinction in Oral Surgery in 1952 and was declared the 'Best Graduate" of the year. He did his MDS in Oral Surgery in 1956. In 1957-58, he had higher training at Queen Victoria Hospital, East Grinstead and Institute of Dental Surgery, London. Holding Post-Graduate Diploma in Statistics, he did his Masterate in Oral Pathology from the London University in 1969.

He is the first Pakistani dentist to earn a Masterate from any University of the U.K. He is a Fellow of International College of Dentists, a Fellow of the Royal Society of Medicine of London, and Member, British Society of Oral Surgeons. He was awarded Fellowship by the Nuffield Foundation of England. He worked as an Associate Professor in New York University College of Dentistry in 1970 and was the first Pakistani dentist to hold a teaching assignment abroad in this rank.

He has several publications to his credit and is a member of the Editorial Committee of the Scientific Journal of International College of Dentists (ICD).

"پاکستان ٹائمز" میں ڈاکٹر سلیم چیمہ کا تعارف

MEDICAL LABORATORY
34, LAWRENCE ROAD
LAHORE • Phone : 54014

DR. ZEENAT HUSSAIN
M.B.,B.S. (Pb.), M.I.S.M. M.Sc. (B'Ghsm)
Consultant Pathologist

Dated 26.11.1978

Dear Doctor Niazi,

Mr.Zulfiqar Ali Bhutto

Enclosed please find the test reports on the samples sent by you.

In view of the results the following laboratory investigations are indicated.

HB, RBC, TLC, Platelets, Reticulocytes, DLC, ESR, Urea, Creatinine, Glucose, SGPT, and Urine Culture & Sensitivity.

It would be advisable to carry out comprehensive blood coagulation studies to investigate the cause of oozing of blood from the gums.

Kindest regards.

Yours sincerely,
(DR. ZEENAT HUSSAIN)

ڈاکٹر زینت حسین کی ۲۶ نومبر کی رپورٹ

کے زمانے میں کالج کے پرنسپل مقرر کئے گئے تھے اور ان کے تقرر کے وقت پاکستان ٹائمز میں مختصر سا مگر باوقار تعارف چھپا تھا۔ وہ تعارف ہم ہو بہو شائع کر رہے ہیں تاکہ قارئین کو ڈاکٹر سلیم چیمہ کی صلاحیت اور قابلیت کا اندازہ ہو سکے۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ڈاکٹر نیازی، ڈاکٹر سلیم چیمہ کے شاگرد ہیں۔

اب ہم استاد کی پہلی رپورٹ شائع کرتے ہیں جو انہوں نے ۹ دسمبر کو سپریم کورٹ کے رجسٹرار کو بھی اور حکومت کو بھی دی، اس رپورٹ کے بنیادی مندرجات یہ ہیں۔

(۱) میں اور ڈاکٹر نیازی دو گھنٹے مسٹر بھٹو کے ساتھ رہے اور ہم دونوں نے منہ کا معائنہ کرنے میں مشکل سے پندرہ منٹ لیے۔

۲۔ مسٹر بھٹو کی زبان اور گلا صحت مند حالت میں ہے۔

۳۔ مسوڑھے تسلی بخش ہیں اور اُن میں انفکشن کے آثار نظر نہیں آتے۔ معمولی سی تکلیف ہے جو کسی طور بھی خطرناک نہیں۔

۴۔ مسٹر بھٹو کو خوراک چبانے میں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیئے۔

۵۔ سٹیفلو کاکائی بکٹیریا ہر منہ میں پیدائش کے بعد موجود رہتے ہیں اور اُن کی موجودگی کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتی۔

۶۔ پورے منہ کا ایکسرے تجویز کیا جاتا ہے جو جیل کے اندر ہی لیا جا سکتا ہے۔

۷۔ ایکسرے کے بعد ضرورت کے مطابق مسوڑھے ٹھیک کیے جا سکتے ہیں۔

۸۔ دانتوں کے علاج کے لیے مسٹر بھٹو کو ہسپتال لے جانے کی ضرورت نہیں۔

۹۔ عام جسمانی صحت کا جائزہ لینا اور اُس پر تبصرہ کرنا ڈینٹل سرجن کے دائرے میں نہیں۔

۱۰۔ مسٹر بھٹو کی بیماری بڑھا چڑھا کر بیان کی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر سلیم چیمہ نے دوسری بار ۱۰ دسمبر کو ڈاکٹر نیازی کی معیت میں مسٹر بھٹو کے دانتوں کا معائنہ کیا اور ۱۲ دسمبر کو رپورٹ بھیجی۔ اس رپورٹ میں مسٹر بھٹو کی بیماری کی تصویر واضح تر ہو جاتی ہے، اُس میں لکھا ہے:

۱۔ ایکسرے لے لیا گیا۔

۲۔ مسوڑھوں کے لیے دو قسم کے ٹیبلٹ دے دیے ہیں جو جیل کے ڈاکٹر کی نگرانی میں استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

۳۔ مسوڑھوں کی صحت یابی کا جائزہ لینے کے لیے ۱۸ دسمبر کو ہمیں پھر آنا چاہیئے۔

ڈاکٹر نیازی نے ۱۰ دسمبر کی ملاقات کے بعد سپریم کورٹ کو جو رپورٹ ارسال کی، اس سے مندرجہ ذیل تاثر ملتا ہے:

(۱) انہوں نے اپنے سے سینئر ماہر کے معائنے کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔

(۲) انہوں نے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ تنہا ہی بھٹو صاحب کا بلا کسی تعطل کے علاج کریں۔

(۳) پیتھالوجسٹ کی رپورٹ کی روشنی میں اُن کے مسوڑھوں میں انفکشن کی وجہ سے اُن کا طبی معائنہ فوری ضروری ہے۔

ڈاکٹر سلیم چیمہ اور ڈاکٹر نیازی نے مشترکہ طور پر ۲۵ دسمبر کو مسٹر بھٹو کے دانتوں کا معائنہ کیا اور ڈاکٹر سلیم چیمہ نے اپنی آخری رپورٹ ۲۸ دسمبر کو ارسال کی۔ اس رپورٹ کے بڑے بڑے نکات یہ ہیں:

۱۔ کسی بھی دانت میں پیپ جمی ہوئی نہیں۔

(۲) دانت کی کوئی ہڈی، مسوڑھے کا کوئی حصہ اور منہ کی بافتیں زوال پذیر نہیں۔

(۳) کسی بھی دانت میں فلنگ کی ضرورت نہیں۔

(۴) کسی نئے دانت لگانے کی ضرورت نہیں۔

(۵) کسی بھی دانت کے نکالنے کی ضرورت نہیں۔

Name Mr. Zulfiqar Ali Bhutto. Sex M Age

Physician/Surgeon Dr. Z. K. Niazi Clinical Diagnosis

Nature of Specimen Smears from pus pockets in gums.

Number

Date despatched 26.11.78

and Time

Date received 25.11.78
(If different from above)

Grams stain and dilute carbol fuchsin stain

SMEARS : Many pus cells and desquamated epithelial cells seen. A large number of organisms morphologicaly resembling fusiform bacilli and Borellia vincentii. Several gram positive cocci seen.

DR. ZEENAT HUSSAIN
M.B., B.S. (Pb.) M.SC. (B'GHAM)
MEDICAL LABORATORY
34, Lawrence Road, Lahore-Pakistan
Telephone Office : 54014

ڈاکٹر نیازی کی ۲۷ نومبر کی رپورٹ کا عکس

Name Mr. Zulfiqar Ali Bhutto. Sex M Age

Physician/Surgeon Dr. Z. K. Niazi. Clinical Diagnosis

Nature of Specimen Pus for C/S.

Number

Date despatched 27.11.78

and Time

Date received 25.11.78
(If different from above)

DIRECT SMEAR : Report attached.

CULTURES : A heavy growth of Staphylococcus pyogenes isolated.

SENSITIVITIES :

Antibiotic	Result
PENICILLIN	R
STREPTOMYCIN	R
CHLORAMPHENICOL	S
TETRACYCLINES	R
ERYTHROMYCIN	S
SULPHA......	
CEPORAN	R
FURADANTIN	
VIBRAMYCIN	R
PYOPEN	R
POLYMYXIN B	
KANAMYCIN	S
ALBAMYCIN	R
AMPICILLIN	S
CLOXACILLIN	S
LINCOCIN	R
CYCLOSERIN	R
CO-TRIMOXAZOLE	R
GENTICYN	S

KEY
S : sensitive
R : insensitive
P : partially sensitive

DR. ZEENAT HUSSAIN
M.B., B.S. (Pb.) M.SC. (B'GHAM)
MEDICAL LABORATORY
34, Lawrence Road, Lahore-Pakistan
Telephone Office : 54014

Culture Sensitivity

(۶) منہ اور دانتوں کی صحت کے پیشِ نظر کسی پیتھالوجسٹ کی انویسٹی گیشن کی ضرورت نہیں۔

(۷) مسٹر بھٹو کو دانتوں کے کسی ماہر کے مشورے اور سروس کی ضرورت نہیں۔

۸۔ میرے خیال میں کسی پیتھالوجسٹ کی ضرورت نہیں۔ میں خود بھی پیتھالوجسٹ ہوں۔

۹۔ مسوڑھوں کی صحت کا دارو مدار صفائی، باقاعدہ برش کرنے اور خلال استعمال کرنے پر ہے۔

۱۰۔ دانتوں کی صفائی پر زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ لگتا ہے اور ڈاکٹر نیازی اور مسٹر بھٹو دانتوں کی صفائی کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر نیازی اور ڈاکٹر سلیم چیمہ کی متعدد رپورٹوں میں جو کھلا تضاد ہے، وہ اندر کی کہانی بیان کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم چیمہ ایک اعتبار سے اپنا قومی فرض ادا کرنے میں پیچھے رہے ہیں۔ انہیں اپنی رپورٹیں پہلے شائع کرنی چاہئیں تھیں، تاکہ قوم کو اتنی دیر تک ڈاکٹر نیازی فریب نہ دے سکتے اور اپنے منصوبے کی چند سیڑھیاں نہ چڑھ سکتے۔

ڈاکٹر سلیم چیمہ کی رپورٹوں نے وہ تمام بنیادیں منہدم کر دی ہیں جو ڈاکٹر نیازی نے بڑی شد و مد سے کھڑی کی تھیں۔ وہ مسوڑھے کی معمولی سی تکلیف کو خون میں فاسد مادے تک لے گئے۔ ڈاکٹر سلیم چیمہ کی رپورٹوں کے مطابق مسٹر بھٹو کسی تشویش ناک مرض میں مبتلا ہی نہیں۔ ڈاکٹر نیازی اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ایکسرے جیل میں لیا ہی نہیں جا سکتا۔ ڈاکٹر سلیم چیمہ نے ڈاکٹر نیازی کی مدد سے یہ کام کر دکھایا، اس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ڈاکٹر نیازی بھٹو کے ساتھ رہے تو دو گھنٹے سے زیادہ اور دانتوں کی صفائی کا کام پندرہ منٹ سے زیادہ نہ ہوا، اس انکشاف سے ڈاکٹر نیازی کا ایک اور پول کھل گیا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ اسٹنٹ کچھ اور ہے۔

ڈاکٹر نیازی اپنی پہلی رپورٹ ہی میں نشانے پر مار چکے تھے لعاب کا ٹیسٹ ہی اور دوسرے معاملات کی بنیاد بنا۔ اسی رپورٹ کے بعد حکومت نے فزیشن بھیجا، مگر مسٹر بھٹو نے علاج کرانے سے انکار کر دیا، کیونکہ یہ ڈاکٹر، تو جناب ڈاکٹر نیازی کا کردار ادا نہیں کر سکتا تھا۔ عدالتِ عظمٰی نے مسٹر بھٹو کی پسند کے ڈاکٹر کو علاج کی اجازت دے دی۔ دو فزیشن۔ ڈاکٹر اعظم اور ڈاکٹر حفیظ اختر طبی معائنہ کر آئے۔ ہمیں بڑی چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ مسٹر بھٹو کا بلڈ پریشر ٹھیک ہے، ان کا جگر اور تلی بھی ٹھیک طور پر کام کر رہے ہیں۔ ان کا ٹمپریچر نارمل ہے اور نبض بھی درست ہے۔ ان رپورٹوں سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ مسٹر بھٹو کے خون میں فاسد مادہ موجود نہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹروں نے تین معمولی نوعیت کی دوائیں تجویز کی ہیں۔ ہماری اطلاعات کے مطابق نسخہ یہ ہے!

1 Mucaine
2 Lysovit
3 Librax

ان دواؤں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسٹر بھٹو قدرے ذہنی پریشانی میں مبتلا ہیں اور ذہن پر سکون رکھنے کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا گیا ہے۔

چونکہ ڈاکٹر زینت حسین کی رپورٹ آ چکی تھی، اس لئے ان دونوں ڈاکٹروں نے بھی ٹسٹ تجویز کئے۔ اس غرض کے لئے ڈاکٹر خالد محمود اعوان گورنمنٹ سنٹرل ہسپتال سے گئے اور ڈاکٹر زینت حسین لاہور سے۔ بھٹو صاحب نے ڈاکٹر خالد اعوان کو خون دینے سے انکار کر دیا۔ اب صرف ڈاکٹر زینت حسین کی رپورٹ سامنے آئے گی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی پہلی رپورٹ میں ہی یہ اشارہ کر چکی ہیں کہ مسوڑھوں میں خون جم جانے کی انویسٹیگیشن ہونی چاہیئے۔ گویا ان کا ذہن اس طرف سوچ رہا ہے کہ خون میں زہر سرایت کر رہا ہے۔ اگر سیاسی وابستگی، پیشے کی عظمت پر غالب آگئی، تو پھر ڈاکٹر زینت صاحبہ کے لئے دیانتداری سے کام لینا دشوار ہو جائے گا۔

ڈاکٹر نیازی صاحب کا منصوبہ یہ نظر آتا ہے کہ وہ کسی طرح مسٹر بھٹو کو بیمار بنانے میں کامیاب ہو جائیں اور ایک ایسی رپورٹ حاصل کر لی جائے جو خون میں زہر پھیلنے کی طرف اشارہ کرتی ہو۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر پھر یہ مطالبہ کیا جائے کہ مسٹر بھٹو کو ہسپتال میں منتقل کیا جائے اور مسٹر بھٹو کی شدید علالت کی خبریں باہر کے اخبارات میں شائع کرائی جائیں اور یہ شور مچایا جائے کہ چیئرمین بھٹو کی جان خطرے میں ہے اور ان کا علاج ملک سے باہر ہونا چاہیئے۔ بھٹو کو بیمار ثابت کرنے سے عدالت اور حکومت کے بعض اہم فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی جا سکتی ہے اور بھٹو کے حق میں عالمی رائے عامہ ہموار کی جا سکتی ہے۔

بااصول اور باکردار لوگوں کے بارے میں سوئے ظن بہت بُری چیز ہے، مگر جو افراد اخلاقی ضابطوں کے پابند نہیں، ان سے ہر بات کی توقع کی جا سکتی ہے، وہ ہر ڈرامہ کھیل سکتے ہیں ہر طرح کی سازش بنا سکتے ہیں اور قوم اور دنیا کو فریب دینے کے لئے ہر حربہ اختیار کرنے پر آمادہ ہیں۔

ہماری مصدّقہ اطلاع کے مطابق بھٹو صاحب ان ملاقاتوں سے فائدہ اٹھا کر تحریری پیغامات باہر بھجواتے رہے ہیں۔

سازش کی ہر کڑی ایک دوسرے سے پیوستہ ہے اور قوم اور حکومت کی مستعدی اور ہوشمندی اسے ناکام کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ مسٹر بھٹو کے ذاتی معالجوں کو بھی یہ پیشِ نظر رکھنا چاہیئے کہ انہیں ایک روز خدا کے سامنے جواب دینا ہے۔ اگر ایک بار مقدس پیشہ بھی گھناؤنی سیاست کا شکار ہو گیا، تو پھر یہ پورا ادارہ ہی بے اعتبار ہو جائے گا۔

●●

باقی اہم دستاویزات

۲۷ سے ۳۳ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں

پاکستان ریلویز۔ ٹنڈر نوٹس

اس ڈویژن کے منظور شدہ ٹھیکیداروں سے درج ذیل آئیٹم ۱ اور ۲ کے لیے کمپوزٹ شیڈول آف ریٹس ۱۹۷۴ء اور آئیٹم ۳ کے لیے ریوائزڈ شیڈول آف ریٹس ۱۹۵۴ء کی بنیاد پر ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ پاکستان ریلویز لاہور کو سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں۔ ٹنڈر کی دستاویزات زرِ بیعانہ کے گارنٹی بونڈ یا کیشئر رسید دکھا کر قیمت کی نقد ادائیگی (ٹنڈر فارم /۲۵ روپے۔ خصوصی شرائط -/۵ روپے اور عام شرائط -/۱۰ روپے) ورکس اکاؤنٹ برانچ سے ۵ رفروری ۱۹۷۹ء تک کسی بھی یوم کار کو دفتری اوقات میں حاصل کی جا سکتی ہیں ٹنڈر ۶ رفروری ۱۹۷۹ء کو ساڑھے بارہ بجے دن تک وصول کیے جائیں گے اور اسی روز اور اسی وقت کھولے جائیں گے۔

نمبر شمار	نام کام	زرِ تخمینہ	زرِ بیعانہ	حدِ مدت
۱۔	نارنگ میں گڈز شیڈ میں توسیع	روپے ۱۰۰۰۰/-	۲۰۰۰/- روپے	دو ماہ
۲۔	درج ذیل سٹیشنوں پر سٹرک کے کنارے کم تنخواہ والے سٹاف کے لیے کوارٹروں کی تعمیر			
	(ل) پانچ یونٹ نارنگ میں اور ایک یونٹ بادامی باغ میں۔	۱۶۵۰۰۰/- "	۳۳۰۰/- "	چار ماہ
	(ب) آٹھ یونٹ شاہدرہ باغ سٹیشن پر۔	۱۷۰۰۰۰/- "	۳۴۰۰/- "	"
	(ج) چھ یونٹ بادامی باغ میں۔	۱۶۵۰۰۰/- "	۳۳۰۰/- "	"
۳۔	ہائی سروس ٹینک کی تعمیر اور لاہور ایریا میں پانی کی سپلائی اور تقسیم کی بہتری۔	۳۰۰۰۰۰/- "	۶۰۰۰/- "	پانچ ماہ

R10 (L) 2435

DR. NIAZI AND ASSOCIATES

M. Z. K. NIAZI
B.D.S., F.I.C.D.

GENERAL DENTISTRY

To,
The Registrar,
Supreme Court,
Rawalpindi.

29.11.1978

Dear Sir,

In continuation of my report submitted to you on November 24, 1978, I am enclosing herewith the report of Dr. Zeenat Hussain, pathologist, regarding the bacteriological examination of smears from pus pockets in Mr. Bhutto's gums.

The report shows massive acute infection and a heavy growth of Staphylococcus pyogenes. A heavy growth of Staphylococcus pyogenes can cause blood borne infection from the primary site. It can cause Enteritis by virtue of its toxins. It is known that Mr. Bhutto has been complaining of Colitis; the infection can be carried to other organs. These are the various possibilities which the study of this report lays open. I, not being a physician, am not in a position to dilate further on this point and would like to stress the imminent need for a complete physical examination of Mr. Bhutto.

In view of the above mentioned facts, it is requested that I may kindly be granted permission to examine Mr. Bhutto along with a physician and a pathologist as a clinical examination alone will not suffice.

In this connection, I may mention here that during the past several months Mr. Bhutto has been given Achromycin for his gum infection and Intestopan for Colitis. Despite the continued use of these medicines, Mr. Bhutto has experienced no relief for the simple reason (as indicated by the present laboratory test) that he is resistant to both these drugs.

Yours truly,

M. Z. Niazi

(Dr. M. Z. K. Niazi)

Copy forwarded to:
1. Home Secretary Punjab through Superintendant District Jail, Rawalpindi.
2. Superintendant District Jail, Rawalpindi.

24TH STREET, SHALIMAR 6-2, ISLAMABAD Phone: 26677

ڈاکٹر نیازی نے ۲۹ نومبر کو یہ رپورٹ پیش کی

Phone No. 54695

THE deMONTMORENCY COLLEGE OF DENTISTRY
AND
THE PUNJAB DENTAL HOSPITAL, LAHORE

Dated 9 December 1978

The Registrar,
Supreme Court of Pakistan,
Rawalpindi.

Re: **DENTAL TREATMENT - MR. Z.A. BHUTTO**

Sir,

I reported on 3rd Decembe. 1978 in the office of Superintendent , District Jail Rawalpindi.

Dr. Niazi handed over his reports dated 24th and 29th November 1978 to me about Mr. Z. A. Bhutto at 11.30 which I studied.

I learnt from Superintendent Jail that Colonel on duty in Jail refused to allow me to accompany Dr. Niazi to examine Mr. Bhutto. However, Superintendent of Jail was able to arrange permission.

At about 12.00 Noon we left office of Superintendent Jail for examining Mr. Bhutto.

My preliminary intra-oral examination and prophylactic treatment given by Dr. Niazi concurrently lasted barely fifteen minutes. The meeting in total took about two hours.

His oral mucosa including that of tongue and throat are in perfect healthy state.

His dental health, particularly gums are in satisfactory condition and there is no sign of active acute infection nor there is a complaint of painful and mobile tooth.

In view of my clinical examination Mr. Bhutto should have no difficulty in mastication and swallowing.

His oral/periodontal health is not suggestive of any oral manifestation of a systemic disease.

Every mouth after birth harbours staphylococci and their presence is of little significance. Dr. Niazi's comments advocating relationship of mild, minor periodontitis with enteritis is far fetched and improbable. In my opinion such a diagnosis is conjectural and indulging in overstatement.

Full mouth X Rays are advisable which can be conveniently done within Jail premises.

Prophylaxis/periodontal currettage can be done in one sitting within Jail premises and need, if any, for segmental periodontal surgery can be evaluated after X Rays.

For his entire dental treatment hospitalisation is not required. He has a minor gum problem, not of a serious nature and is treatable in Jail premises.

......2

ڈاکٹر چیمہ کی ورلڈ نمبر کی رپورٹ پہلا صفحہ

Phone No.......

THE de-MONTMORENCY COLLEGE OF DENTISTRY
AND
THE PUNJAB DENTAL HOSPITAL, LAHORE

Dated..............................

To evaluate and comment about general physical/medical status of a person is not within scope of a Dentist.

In my view Dr. M. Z. K. Niazi's opinion of gravity of illness is exaggerated.

Yours obediently,

M. Saleem Cheema

(PROF. M. SALEEM CHEEMA)
B. D. S., M. D. S., M. Sc., D. St., F. I. C. D.
Principal,
Demontmorency College of Dentistry
&
Superintendent,
Punjab Dental Hospital, Lahore.

Copy forwarded to:
The Secretary to Government of Punjab,
Home Department, Lahore.

ڈاکٹر چیمہ کی رپورٹ دُوسرا صفحہ

جناب بھٹو کے مطالبہ پر ان کے خصوصی معالج کو بلوایا گیا

چیئرمین بھٹو کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی

پیٹ میں سخت درد ہے

مسلسل قے آتی رہی

راولپنڈی ۱۸ نومبر (نمائندہ مساوات) معلوم ہوا ہے
کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور سابق وزیراعظم جناب بھٹو
کی طبیعت کل رات سے بہت زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ ان
کو پیٹ میں سخت درد ہے اور مسلسل قے آتی رہی [illegible]

Daily Musawaat

روزنامہ مساوات لاہور

مسٹر بھٹو کی بیماری بڑھا چڑھا کر بیان کی جا رہی ہے

ڈاکٹر چیمہ کا انکشاف

ہفت روزہ زندگی لاہور، ۱۹ تا ۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء

DR. NIAZI AND ASSOCIATES

M. Z. K. NIAZI
B.D.S., F.I.C.D.

GENERAL DENTISTRY

To,
The Registrar,
Supreme Court,
Rawalpindi.

10.12.1978

Dear Sir,

I visited Mr. Bhutto in the District Jail in the afternoon today. During this visit, Mr. Bhutto was administered a further currettage of the gums.

In keeping with my earlier reports I am still of the view that Mr. Bhutto is in dire need of consistent and unhampered dental treatment if his gum infection is to be kept in abeyance and that in view of the pathologist's report his physical examination is imminent.

On my visit today, I was accompanied by the Principal of the Dental College, Lahore.

I would like to state at this juncture that though I welcome advice of any kind and have the highest regards for senior members of my profession, it is in keeping with my professional ethics to demand that the mode of treatment of any patient under my care may of necessit be left to my discretion. Mr. Bhutto has been my patient for many years in view of his serious gum condition the Supreme Court was pleased to permit me to treat him at his request. It is further requested that I may be permitted to continue this treatment without hindrance.

Yours truly,

(Dr. M.Z.K. Niazi)

Copy forwarded to:
1. Home Secretary, Punjab
through Superintendant
District Jail, Rawalpindi.
2. Superintendant
District Jail, Rawalpindi.

24TH STREET, SHALIMAR 6-2, ISLAMABAD Phone: 26677

ڈاکٹر نیازی کی ۱۰ دسمبر کی رپورٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Phone No. 54695

THE de-MONTMORENCY COLLEGE OF DENTISTRY
AND
THE PUNJAB DENTAL HOSPITAL, LAHORE

Dated 12 December 1978

The Registrar,
Supreme Court of Pakistan,
Rawalpindi.

Sir,

Re: **Dental Treatment - Mr. Z. A. Bhutto**

As previously arranged I reported in office of Superintendent, District Jail, Rawalpindi, at about 1330 hours on 10th December 1978.

Intra oral X-Rays were taken, dental films were positioned by me and held by Mr. Z.A. Bhutto in his mouth. Dr. Niazi operated the exposure time switch of dental X-Ray apparatus.

Dr. Niazi performed prophylaxis/periodontal currettage by hand instruments for about ten minutes and observed that no tarter/calculus was left on the teeth.

I assisted Dr. Niazi as a chairside assistant by holding light and helping with mouth rinse and spitting.

Dr. Niazi is interested in doing prophylaxis by his apparatus and may do so.

I handed over two types of gum paints to Mr. Z.A. Bhutto/Superintendent of Jail for gum/periodontitis treatment. One of the gum paint is tannic acid 33% in Glycerine, for message on gums by himself, the other one contains Tincture Iodine, Tincture Aconite and Tincture Myrrh which shall be applied preferably by the Jail Doctor as instructed to Mr. Z.A. Bhutto/Superintendent of Jail.

It is advisable to review the progress of treatment of gum/periodontitis on 18th December 1978 provided it is convenient for Dr. M. Z. K. Niazi.

Yours obediently,

(PROF. M. SALEEM CHEEMA)
B.D.S., M.D.S., M.Sc., D.St., F.I.C.D.
Principal, de-Montmorency College of Dentistry
&
Superintendent, Punjab Dental Hospital, Lahore.

Copy forwarded to:

The Secretary to the
Government of Punjab,
Home Department,
Lahore.

ڈاکٹر سلیم چیمہ نے ۱۲ دسمبر کو یہ رپورٹ دی۔

Phone No. 54695

**THE de-MONTMORENCY COLLEGE OF DENTISTRY
AND
THE PUNJAB DENTAL HOSPITAL, LAHORE**

Dated 28 December, 1978.

The Registrar,
Supreme Court of Pakistan,
Rawalpindi.

Re: DENTAL TREATMENT -MR. Z. A. BHUTTO.

Sir,

In continuation of my report dated 9th Dec e ber, 78 and in view of my visits on 10th December 78 and 25th December, 1978, I am of the opinion:

Dental X-Rays confirm my clinical observations.

There is no puss oozing pocket or decay in any of his teeth. Mr. Bhutto does not need filling in any of his teeth, nor replacement of any tooth is required; neither extraction of any tooth is indicated.

There is no evidence suggestive of degenerative changes in his bone, gum/periodontal and oral tissues.

Facio-cervical lymph nodes are normal.

There is no basis for investigation by a pathologist on these grounds in view of his oral and dental health. I may add that I am a qualified pathologist having done my Masterate in Oral Pathology from Medical Faculty, University of London.

Onset and progress of gingivitis/periodontitis mainly depends upon oral hygeine and correct way to prevent and control gingivitis/periodontitis is by patient himself

ڈاکٹر سلیم چیمہ کی ۲۸ دسمبر کی رپورٹ (پہلا حصہ)

Phone No.

THE de-MONTMORENCY COLLEGE OF DENTISTRY
AND
THE PUNJAB DENTAL HOSPITAL, LAHORE

Dated.........................

Page-2.

by tooth brushing and use of dental floss/interdens.

Mr. Bhutto required cleaning of teeth, a process which should have taken half an hour and both Mr. Bhutto and Dr. Niazi are intentionally ignoring this minor problem of cleansing teeth.

I am firmly of the view that Mr. Bhutto does not need expert dental care or advice.

Dr. Niazi's alarm sounds to be more of a sentimental than of professional nature and his reports are tendentious.

Yours obediently,

(PROF. M. SALEEM CHEEMA)
B.D.S., M.D.S., M.Sc., D.St.,F.I.C.D
Principal,
Demontmorency College of Dentistry
&
Superintendent,
Punjab Dental Hospital, Lahore.

Copy forwarded to:

The Secretary to Government of Punjab,
Home Department, Lahore.

(۲۸ دسمبر کی رپورٹ کا دوسرا حصّہ)

سید سبط احمد

مخالفین کو راستے سے ہٹانے کا منصوبہ

بم ساز فیکٹری کا سراغ مل گیا

گذشتہ برس اکتوبر میں جب سپریم کورٹ میں لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف پیپلز پارٹی کے چیئرمین بھٹو اور چار دوسرے مجرموں کی اپیل کی سماعت آخری مراحل میں تھی۔ اس وقت پیپلز پارٹی کی ہائی کمان کے اشارے پر ملک بھر میں "جلاؤ بچاؤ" تحریک چلائی گئی تھی اس تحریک میں ناکام ہونے کے بعد پیپلز پارٹی نے اپنی قوت کے مظاہرے کا اعلان کیا تھا۔ راولپنڈی میں اس مظاہرے کی آڑ لے کر وسیع پیمانے پر تخریبی سرگرمیوں کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ پیپلز پارٹی نے اس سلسلے میں بوہن پورہ میں ایک اسلحہ ساز فیکٹری بھی قائم کی جس میں عین اس وقت ایک زبردست دھماکہ ہوا تھا، جب تخریب کار بم سازی میں مصروف تھے۔ اس بم ساز فیکٹری میں ہولناک دھماکے کے بعد راولپنڈی اور اسلام آباد میں وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی تھیں۔ پولیس ذرائع نے بتایا تھا کہ اس اسلحہ ساز فیکٹری کی کڑیاں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔

اس فیکٹری میں دھماکے کے چند یوم بعد تک تو پولیس نے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کیا تھا، مگر اخبارات و رسائل میں جب پولیس کی کارکردگی پر اظہارِ اطمینان کیا گیا، تو پولیس کی تفتیش کی رفتار بھی سست پڑ گئی۔ آج تقریباً تین ماہ بیت گئے، عوام کو معلوم نہیں کہ اب یہ تفتیش کن مراحل میں ہے۔ پولیس جب تک تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتی رہی، تخریب کاروں کی سرگرمیاں ماند پڑی رہیں مگر جوں ہی پولیس ڈھیلی پڑی تخریب کاروں نے پر پُرزے نکالنے شروع کر دیے۔ شاہراہِ کشمیر جیسی مصروف سڑک پر امریکن سنٹر کی عمارت کے عین سامنے دن دہاڑے دھماکہ ہوا، پولیس آئی، تصاویر بنیں۔ تفتیش شروع ہوئی اور پھر عوام کو معلوم نہ ہو سکا کہ پولیس نے تخریب کاروں کو گرفتار کیا یا نہیں۔

یہ واقعہ ابھی عوام کے ذہنوں میں محفوظ ہی تھا کہ صدر ہی کی ایک اور عمارت العباس مارکیٹ میں ۹ جنوری کو ایک اور زبردست دھماکہ ہوا جس سے صدر کے پورے علاقے میں سنسنی پھیل گئی۔ یہ دھماکہ بھی اسی نوعیت کا تھا جیسا کہ گزشتہ ماہ امریکن سنٹر کے سامنے ہوا تھا۔

العباس مارکیٹ راولپنڈی کی جدید ترین عمارتوں میں سے ایک ہے۔ اس عمارت میں مختلف اخبارات اور ٹریول ایجنسیوں کے دفاتر ہیں۔ یہ دھماکہ دن کے تقریباً ۱۱ بجے ہوا، جبکہ مارکیٹ کے تمام دفاتر اور دکانیں کھلی ہوئی تھیں، چھت پر جانے والے زینے جسے عام طور پر استعمال نہیں کیا جاتا کے ایک کونے میں دھماکہ خیز مادہ زوردار آواز کے ساتھ پھٹا جس سے پوری مارکیٹ اور اس کے اطراف کی عمارتیں لرز گئیں۔ دھماکے کی آواز دُور دُور تک سنی گئی۔ دھماکے کی اطلاع ملتے ہی مقامی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران موقع پر پہنچ گئے۔ زینے کے جس حصے میں دھماکہ ہوا تھا، وہاں سے دھوئیں کے نشانات کے علاوہ اور کچھ نہ مل سکا۔ پولیس حکام نے معائنے کے بعد بتایا کہ یہ دھماکہ دیسی ساخت کے بم سے کیا گیا ہے اور جائے وقوعہ سے کپڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ملے ہیں جن میں آتش گیر دھماکہ خیز مادہ باندھ کر دھماکہ کیا گیا تھا۔ پولیس نے ایکسپلوسو ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کر لیا ہے، جبکہ مارشل لا کے ضابطہ ۸۔ اور ۱۴ کے تحت بھی مقدمات درج کر لیے گئے ہیں، اس دھماکے میں کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔

ان دو دھماکوں کے بعد ایک بار پھر پولیس مستعد ہوئی اور تخریب کاروں کی تلاش میں تفتیش کا دائرہ راولپنڈی شہر اور اسلام آباد تک پھیلایا، تو ایک اور بم ساز فیکٹری کا سراغ لگا۔ اس کے ساتھ ہی پولیس راولپنڈی شہر سے تخریب کاروں کے ایک ایسے گروہ کو پکڑنے میں بھی کامیاب ہو گئی جو دستی بم بنا کر فروری میں پورے ملک میں دھماکے کر کے خوف و ہراس پھیلانا چاہتے تھے۔

سپریم کورٹ نے مسٹر بھٹو کی اپیل پر فیصلہ محفوظ رکھنے کا اعلان کیا تھا۔ اسی وقت سے پیپلز پارٹی کی ہائی کمان نے فیصلے کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنے کے لیے وسیع پیمانے پر تخریبی کارروائیوں کا پروگرام بنایا تھا جس کے انکشافات زندگی میں کیے جاتے رہے ہیں۔

توقع ہے کہ مسٹر بھٹو کی اپیل سے متعلق سپریم کورٹ آئندہ ماہ اپنا فیصلہ سنا دے گی۔ تخریب کاروں نے اسی فیصلے پر عمل درآمد روکنے کیلئے ملک بھر میں دھماکوں اور قتل و غارت کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبے کا سراغ لگا کر پولیس نے تخریب کاروں کے منظم گروہ کے ایک سرگرم رکن کو گرفتار کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دستی بم بنانے والی ایک فیکٹری کا بھی سراغ لگا لیا ہے جہاں سے بھاری مقدار میں دھماکہ خیز مادہ دستی بموں کے فیوز اور دوسرا سامان برآمد کر کے اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ یہ گروہ بھاری تعداد میں دستی بم بنا کر آئندہ ماہ دارالحکومت اور ملک کے دوسرے شہروں میں وسیع پیمانے پر ہنگامہ آرائی اور قتل و غارت گری شروع کرنے والا تھا۔ پولیس نے راولپنڈی کے بارونق اور گنجان علاقے لیاقت روڈ کے ایک مکان پر خفیہ طور پر چھاپہ مار کر ایک تخریب کار کو بھی گرفتار کر لیا ہے جس کی نشان دہی پر دھماکہ خیز اور آتش گیر مادہ، ڈائنامیٹ اور دستی بموں کی تیاری میں استعمال ہونے والے آلات بھی قبضے میں لے لیے گئے ہیں۔

اس ماہ کی ابتدائی تاریخوں میں پولیس کو اطلاع ملی تھی کہ لیاقت روڈ پر واقعہ ایک مکان میں تخریب کار خفیہ اجلاس کرتے ہیں جن میں ایک سیاسی جماعت کے سرکردہ افراد بھی شرکت کرتے ہیں۔ ان اجلاسوں میں حکومت کے خلاف ہنگاموں کے پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں۔ ان ہی ذرائع سے پولیس کو معلوم ہوا تھا کہ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ جونہی سپریم کورٹ آئندہ ماہ مسٹر بھٹو کی اپیل پر اپنا فیصلہ سنائے۔ ملک بھر میں ہنگامے شروع کرا دیے جائیں۔

ان ہنگاموں کو موثر بنانے اور اپنے مخالفین کو راستے سے ہٹانے کے لیے دستی بم بنانے کے لیے ایک فیکٹری بھی قائم کی گئی ہے۔ پولیس نے ان اطلاعات کے ملتے ہی خفیہ طور پر چھاپہ مارا تھا۔

پولیس اِن تخریب کاروں کے منظم گروہ کے بارے میں کچھ بتانے سے گریز کر رہی ہے اور گرفتار تخریب کار کا نام بھی صیغۂ راز میں رکھا جا رہا ہے تاکہ اس گروہ کے دوسرے تخریب کاروں کو بھی گرفتار کیا جا سکے۔ پولیس کے اس برآمدی اقدام نے تخریب کاروں کی ایک بڑی سازش ناکام بنا دی ہے۔ توقع کی جا رہی ہے کہ جنوری کے آخر تک پولیس کئی سنسنی خیز انکشافات کرے گی۔

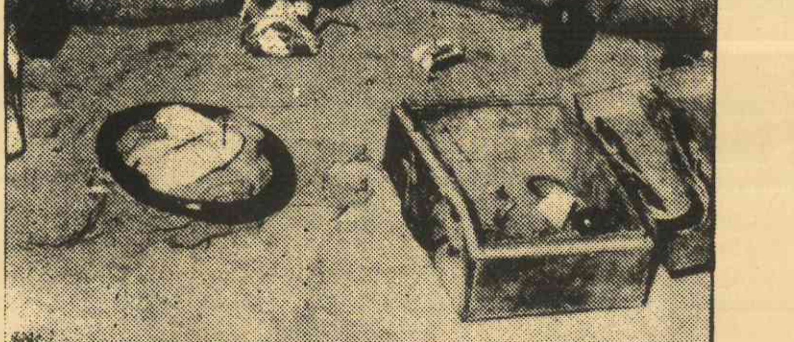

پولیس نے لیاقت روڈ راولپنڈی پر ایک مکان پر چھاپہ مار کر دو دستی بم اور دوسرا اسلحہ برآمد کر لیا۔ وائے پی پی فوٹو

محمد یونس فیضی

کشمیر کا نام لینا آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے، تو

پاکستان اور کشمیر کے عوام اس آگ سے کھیل سکتے ہیں

جنگ چھڑی، تو باجپائی اور اُس کی قوم بھی راکھ کا ڈھیر بن جائے گی

حال ہی میں ہندوستان کے وزیرِ خارجہ اٹل بہاری باجپائی نے پارلیمنٹ سے خطاب کے دوران میں دھمکی آمیز لب و لہجے میں کہا کہ پاکستان کشمیر کا نام لے کر آگ سے کھیلنا چاہتا ہے۔ ہندوستانی وزیرِ خارجہ کا یہ بیان آج کل موضوعِ سخن بنا ہوا ہے اور ہر گوشۂ زندگی سے اس پر ردِ عمل کا اظہار ہو رہا ہے۔

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں —— کہ جن سنگھی وزیرِ خارجہ نے اِس قسم کا تند و تیز لہجہ اور طرزِ فکر اختیار کیا ہے، کیونکہ ہندوستانی حکومت کے اہل کار و وزیر پہلے بھی یہ راگ الاپتے رہے ہیں کہ کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے۔ اصل میں ایشیا میں اِس وقت حالات نے کروٹ لے کر جو نیا رُخ اختیار کیا ہے اُس کو سامنے رکھتے ہوئے اُس کی دھمکی اِس غور و فکر کی متقاضی ہے کہ اِس تُند و تیز اور دھمکی آمیز لب و لہجے کے پیچھے ہندوستانی وزیرِ خارجہ کی اپنی خواہش اور قوتِ ارادی کس حد تک کارفرما ہے؟

اِس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لیے مسئلہ کشمیر کا اختصار کے ساتھ تاریخی پس منظر بیان کرنا ضروری ہے۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد برِ صغیر کی تقسیم کے تمام اصولوں کو پامال کرتے ہوئے بھارتی حکومت نے ساز باز کے ذریعے مہاراجہ ہری سنگھ سے بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا پروانہ لکھوا لیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ فوج کشی بھی کر دی۔ کشمیریوں کی درخواست پر پاکستان نے بھی کشمیری مجاہدین کی مدد کی اور جب کشمیر کے محاذ پر ہندوستان کو شکست کا سامنا ہوا تو وہ واویلا کرتا ہوا اقوامِ متحدہ میں جا گرا اور جنگ بندی کی درخواست کی۔ پاکستان نے بھی جوابی موقف پیش کیا اور عالمی ادارۂ انصاف میں استصوابِ رائے کے لیے رجوع کیا۔ جب جنوری ۱۹۴۸ء میں بھارت کی طرف سے مسئلہ کشمیر اقوامِ متحدہ میں پیش ہونے پر پاکستان نے اپنا مؤقف واضح کیا، تو حالات کو مزید خطرناک صورتِ حال اختیار کرنے سے بچانے کی خاطر ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء کو ایک قرارداد کے ذریعے اقوامِ متحدہ کے ایک کمیشن کا تقرر ہوا، تاکہ جموں و کشمیر میں امن کی خاطر منصفانہ و آزادانہ رائے شماری کرانے کا اہتمام کیا جائے۔ اِس کے بعد ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں بہت سی دوسری قراردادیں منظور ہوئیں جن کے ذریعے جنگ بند کرنے اور جنگ بندی لائن کے تعین کا فیصلہ کیا گیا۔ سب سے اہم فیصلہ یہ کیا گیا کہ دونوں ممالک جموں و کشمیر سے اپنی اپنی فوجیں نکالیں، تاکہ اقوامِ متحدہ کے نمائندوں کی نگرانی میں رائے شماری کرائی جائے۔

اوّل الذکر دونوں فیصلوں پر تو عملدرآمد کرا لیا گیا، لیکن فوجوں کے انخلاء اور رائے شماری کے فیصلوں پر بھارت کی ہٹ دھرمی

محمد یونس فیضی

کے باعث عملدرآمد نہ ہو سکا۔ اِس کے بعد ۱۹۴۹ء سے لیکر ۱۹۵۸ء تک سلامتی کونسل نے مفاہمت کی جتنی کوششیں کیں، ہندوستان کے منفی رویے کے سبب سب ناکام رہیں۔ یہ ایک عالمگیر حقیقت ہے کہ مسئلہ کشمیر جب تک اقوامِ متحدہ میں مؤثر انداز سے اُٹھایا جاتا رہا، اسے دنیا کے تمام آزادی پسند ممالک اور اقوامِ متحدہ کی مبنی بر حقیقت حمایت حاصل رہی —— ۱۹۵۸ء میں ڈاکٹر گراہم نے ۱۵ جنوری سے ۱۵ فروری تک ہندوستان اور پاکستان تحقیقی بات چیت کر کے جامع رپورٹ مرتب کی اور سلامتی کونسل کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ آزاد کشمیر میں اقوامِ متحدہ کی فوج متعین کی جائے۔ بھارت نے جب اِس رپورٹ پر عمل درآمد سے انحراف کیا، تو ڈاکٹر گراہم نے مارچ ۱۹۵۸ء میں اس پر دوبارہ غور کیا اور آئرلینڈ کے نمائندے نے قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان اور پاکستان اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل اور کمیشن کی قراردادوں کے مطابق باہمی بات چیت کریں۔ دوسرے سب ممالک کے نمائندوں نے اس سے اتفاق کیا، مگر سوویٹ یونین کے نمائندے نے اس قرارداد پر "ویٹو" کا حق استعمال کیا۔

روس کے اس "ویٹو" کے ساتھ مسئلہ کشمیر نے اقوامِ متحدہ میں ایک نیا رُخ اختیار کر لیا، کیونکہ دنیا کے ممالک پر واضح ہو گیا کہ کشمیر کے مسئلے میں روس گہری دلچسپی رکھتا ہے اور اس کے سلجھاؤ کی راہ میں وہ کا دٹ بنا کھڑا ہے؛ چنانچہ اس "ویٹو" کے بعد اقوامِ متحدہ کی مسئلہ کشمیر کے بارے میں کوششیں برائے نام رہ گئیں اور مسئلہ کشمیر سرد خانے کی زینت بن گیا۔

یہاں اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ برِ صغیر کے معاملات میں دلچسپی لینے اور مسئلہ کشمیر کے حل کی راہ میں روس کے کانٹے بچھانے کی وجوہات کیا تھیں۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ترکی اور ایران مخصوص جغرافیائی محلِ وقوع کی وجہ سے بڑی طاقتوں کی توجہ کا مرکز بنے رہے ہیں۔ خصوصاً روس بحیرۂ روم اور بحرِ ہند کے گرم پانیوں تک پہنچنے اور کسی بھی خطرے کے وقت مغربی بلاک سے نبرد آزما ہونے کے لیے ان ممالک کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا ہے اور انہیں اپنی عیارانہ و مکارانہ حکمتِ عملی کے جال میں الجھاتا رہا ہے

دوسری طرف ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۸ء کے پانچ چھ سالوں کا درمیانی عرصہ روس کے لئے کھلے سمندروں تک رسائی حاصل کرنے میں حوصلہ شکنی کی حد تک مایوس کن تھا۔ عراق اور ترکی کا معاہدہ، ۱۹۵۴ء میں امریکہ اور پاکستان کا ہتھیاروں کا سمجھوتہ۔ ۱۹۵۵ء میں برطانیہ، پاکستان، ترکی اور عراق کا بغداد پیکٹ اور بعد میں ایران کی اس میں شمولیت، بغداد پیکٹ کا سینٹو کی صورت میں ظاہر ہونا اور امریکہ کی اس میں شمولیت۔ یہ سب حالات ایسے تھے جن سے مجبور و مایوس ہو کر روس نے بھارت کی

طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا جو بعد میں باقاعدہ ایک معاہدے کی صورت اختیار کر گیا۔ پاکستان چونکہ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے بھارت کے ساتھ دشمنی میں الجھا ہوا تھا، اس لئے روس نے پاکستان کو اپنے دشمنوں کی صف میں شامل کر لیا۔ اقوام متحدہ میں ۱۹۵۰ء کا ویٹو، ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی کے معاملے پر روس کا دوبارہ "ویٹو" بھارت کو جدید اسلحہ اور طیاروں کی فراہمی سب پاکستان دشمنی کی واضح مثالیں ہیں اور مسئلہ کشمیر کا ظاہری فریق اگرچہ بھارت تھا، لیکن اس کے پس پردہ ہمیشہ روسی ذہن کارفرما رہا ہے۔ روس اور چین کا منگولیا کا تنازعہ اور بھارت کا تبت کو چین سے علیحدہ کرنے کا معاملہ بھی روس، بھارت گٹھ جوڑ اور پاکستان دشمنی کا باعث بنا۔

معاہدہ تاشقند کے دوران صدر ایوب روس کے کافی قریب چلے گئے تھے، مگر جب روس، پاکستان کو بھارت کے خلاف تحفظ دینے پر آمادہ نہ ہوا تو پاکستان کو مجبوراً بھارت اور روس کے دشمن چین کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ روس کی عیارانہ ڈپلومیسی چونکہ چین دشمنی تھی، اس لئے پاکستان روس کی توجہ کا مرکز بن گیا اور نقشے پر اسلام آباد کو "مارک MARK" کر دیا گیا۔ اس طرح روس نہ صرف برصغیر کے معاملات میں ملوث ہو گیا، بلکہ وہ پس پردہ مسئلہ کشمیر کا فریق بھی بن گیا اور اب تک مسئلہ کشمیر کے حل کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اس طرح کشمیری مسلمان بڑی طاقتوں کی توجہ کا مرکز بن کر حصولِ آزادی سے محروم چلے آ رہے ہیں۔

صدر ایوب کے زمانے میں جب امریکہ کو پاکستان سے قربت کا شرف حاصل تھا، تو امریکہ بڈھ بیر بیس کی بدولت روس کے لئے ہر وقت خطرے کا الارم بنا ہوا تھا۔ اس بیس کی موجودگی روس کے لئے اس حد تک مہلک تھی کہ روس کی سرحد سے بیس میل کے فاصلے پر امریکہ کے الیکٹرانکس آلات نصب تھے ــــ اب جبکہ امریکہ عوامی جمہوریہ چین کے قریب آ رہا ہے اور شاہراہ قراقرم جو چین کو کشمیر کے راستوں سے پاکستان اور کھلے سمندروں کے ساتھ ملاتی ہے، اب اس شاہراہ پر روس کی نظریں جمی ہوئی ہیں، کیونکہ عالمِ تخیل میں اس شاہراہ پر روس کو امریکی ساز و سامان اور جدید اسلحہ سے بھری گاڑیاں دوڑتی نظر آتی ہیں۔

اگرچہ امریکہ اور چین کے درمیان بہتر تعلقات بہر طور کشمیریوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں، مگر ان حالات میں روس کا ردِعمل کشمیری اور پاکستانی عوام کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ کیا روس پھر برِصغیر میں کوئی کشیدگی پیدا کر کے امریکہ اور چین کی قربت پر اثر انداز ہونا چاہتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ شاہراہِ قراقرم جو چین کے لئے کھلے سمندروں میں پہنچنے کا ذریعہ ہے اور یہ شاہراہ چونکہ گلگت اور ہنزہ کے علاقوں سے گزرتی ہے اس لئے روس ان علاقوں کو بھی عقابی نظروں سے دیکھتا ہے اور اس کی یہ خواہش ہے کہ کوئی بہانہ بنا کر درہ پامیر سے ہوتا ہوا گلگت اور ہنزہ کے علاقوں میں پہنچ کر اس شاہراہ کو چین سے منقطع کر دے۔ شمالی بستیوں میں تو یہ خیالات بھی ذہنوں میں جنم لیے ہوئے ہیں کہ روس زمین دوز راستوں سے شاہراہ قراقرم کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ خصوصاً موجودہ حالات میں جن کا روس کو پہلے سے کھٹکا تھا کہ اگر امریکہ اور چین ایک دوسرے کے قریب آ گئے، تو روس کے لیے متبادل غور و فکر کیا ہو گا۔

اب ان حالات میں بھارتی وزیرِ خارجہ کے دھمکی نما بیان کی طرف توجہ دی جائے جس میں انہوں نے کشمیر کا نام لینا آگ سے کھیلنے کے مترادف قرار دیا ہے اور مزید یہ کہ گلگت اور ہنزہ بھی بقول باجپائی کے متنازعہ حیثیت رکھتے ہیں، کیا اس حقیقت کی عکاسی نہیں کرتا کہ باجپائی کی ہرزہ سرائی کے پیچھے روسی لابی کے اذہان کارفرما ہیں۔

یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ بڑی طاقتیں جب چاہیں ترقی پذیر چھوٹے ممالک کو اپنا آلۂ کار بنا لیتی ہیں اور محکوم قومیں، تو ان کے ذہن میں کھٹکتی ہی ہیں۔

جیسا کہ فی الوقت بھارتی وزیرِ خارجہ نے شر انگیز خیالات کا اظہار کیا ہے، پاکستانی اور کشمیری عوام پر یہ حقیقت عیاں ہو جانی چاہیئے کہ روس کشمیر کا نام لے کر برِصغیر میں مداری کا کھیل پیش کرنا چاہتا ہے، اس لیے بھارتی وزیرِ خارجہ کو بندر کی چال نچایا جا رہا ہے۔

اس دھمکی کے پسِ پردہ ہندوستانی وزیرِ خارجہ کی جو اپنی ڈپلومیسی کارفرما ہے، وہ صرف اُس شملہ معاہدہ کی دھونس و دباؤ ہے جس کے کشمیری عوام نہ پابند ہیں اور نہ اُن کو پابند ہونے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، کیونکہ کشمیریوں کا کوئی نمائندہ اس معاہدے میں فریق کی حیثیت سے شامل نہیں تھا۔

اس بحث سے ایک نہایت ہی مہلک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ کیا روس پھر برِصغیر میں جدید ساخت کے طیاروں اور اسلحہ کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے؟ اور عالمِ انسانی کو خونریز تصادم کے خطرات سے دوچار کرنا چاہتا ہے۔

کسی بھی بڑی طاقت کا اس طرح کا موقف بلاشبہ ہمسایہ ملکوں کے معاملات میں کھلی مداخلت کے مترادف ہے اور روس ایسا کر کے توسیع پسندی کے عزائم کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔ اقوامِ متحدہ کے لیے بھی یہ لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ بڑی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم کو پنپنے نہ دے اور ترقی پذیر و آزادی پسند چھوٹے ممالک کے تحفظ کی ضمانت کی پاسداری کرے۔

ان حالات میں یہ بات بالکل عیاں ہے کہ روس مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں بین الاقوامی سطح پر رکاوٹ بنا ہوا ہے اور نہ صرف کشمیریوں کے حصولِ آزادی میں رخنہ اندازی کر رہا ہے، بلکہ آزاد علاقوں گلگت و ہنزہ کو بھی اپنے مکروہ عزائم کا نشانہ بنانا چاہتا ہے۔ اس طرح کشمیریوں کے لیے یہ بات شکوک و شبہات سے بالاتر ہے کہ روس ہی اصل میں کشمیریوں کی آزادی کا قاتل و مجرم ہے اور پاکستان جب بھی کشمیر کا مسئلہ پُرامن طریقے سے حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، روسی سامراج طلسمی ڈگڈگی بجا کر سدھائے ہوئے پالتو جانور نچانا شروع کر دیتا ہے۔

باجپائی کو طلسمی ڈگڈگی پر ناچتے ہوئے شاید یاد نہیں رہا کہ پاکستانی اور کشمیری عوام آگ سے کھیلنا اچھی طرح جانتے ہیں۔ اگر وہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کی مثال دے کر پاکستانی عوام کو احساس دلانا چاہتا ہے، تو اُس کو یاد رہے کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کی برتری کے بعد ہندوستان نے اندر ہی اندر اس جنگ کا بدلہ لینے کے لیے روس کی مدد سے پاکستان پر جارحیت کا ارتکاب کیا اور اسکے ایک حصے کو الگ کر دیا، مگر اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ پاکستان اب ہندوستان کی دھمکی کا مؤثر جواب نہیں دے سکتا۔ باجپائی کو مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالنا چاہیئے کہ وقتی ناکامیاں مسلمانوں کو از سرِ نو منظم ہونے میں ہمیشہ معاون ثابت ہوتی رہی ہیں۔

اگر برِصغیر میں کہیں سے آگ کے شعلے بلند ہوئے، تو باجپائی اور اس کی قوم اس آگ کا ایندھن بن جائیں گے اور جلتی چتا سے باجپائی کی خاک اڑانے والا کوئی نظر نہ آئے گا۔

●●

پانچواں ایڈیشن

ہمہ یاراں دوزخ

اُردو ادب کے جواں ہمت ادیب اور مزاح نگار

صدیق سالک

کے قلم سے

اُن دنوں کی سرگزشت جب مشرقی پاکستان آخری ہچکی لے رہا تھا اور پاکستان کے جیالے فرزند تیغ و سنان سے محروم کر کے بھارت کے کیمپوں میں دھکیل دیے گئے تھے۔

ایک ایسی داستان جس میں آنسو اور آہیں بھی ہیں اور جرأت و عزیمت کے روشن شعلے اور برہمنی ذہنیت کی تاریک جھلکیاں بھی۔

قلیل مدت میں اس کتاب کے چار ایڈیشن ختم ہو چکے ہیں۔

قیمت ۲۵ روپے

مکتبۂ اُردو ڈائجسٹ ــ سمن آباد ــ لاہور

عنایت

انگریزی بیزار "ایم" مسعود!

جب قائدِ اعظمؒ نے "گیٹ آؤٹ" کہا

"سر! میں نے آپ کا تازہ مجموعۂ کلام پڑھا ہے اور اسکی لفظیات سے مجھے پابلو نرودا کی خوشبو جا بجا آئی ہے"۔ اُس نے اپنی کزن کے جلو میں میری طرف بڑھتے ہوئے کہا تھا۔ "چلی کا شاعر، جسے قتل کر دیا گیا تھا......" اس نے یہ وضاحت بھی ضروری سمجھی۔ بانیٔ پاکستان کے یومِ ولادت پر ایک تقریب شام کو بھگتا کر ہم لوگ مقامی شالیمار ریسٹورنٹ کے بالائی ہال میں مہمانِ خصوصی جناب مسعود نبی نور کا انتظار کر رہے تھے، تاکہ کھانا شروع کیا جا سکے۔ یہ بی بی مس نبیلہ کیانی تھیں جس نے تھوڑی دیر پہلے اپنا انقلابی مضمون پڑھ کر سارے ہال کو زیر و زبر کر دیا تھا۔ اس کی کزن مس ارشاد کیانی تھیں جو موصوفہ کے ساتھ ہی گورنمنٹ کالج برائے خواتین میں پڑھاتی ہیں۔ واضح رہے کہ سنگل پسلی کی یہ لڑکی باقاعدہ ڈبل ایم اے ہے اور جگت باجی بھی، یعنی نبیلہ کے علاوہ اُس کے ابّی بھی موصوفہ کو باجی کہہ کر پکارتے ہیں۔

میں پابلو نرودا کو تو گول کر گیا؛ البتہ اتنا کہا کہ آپ کے پڑھنے کے لہجے سے ایسا لگتا ہے کہ کسی زمانے میں بڑی زبردست ڈی بیٹر رہی ہوں گی۔ "نہیں، سر" اُس نے جواب دیا؛ "البتہ مقامی کالج میں پڑھاتی ضرور ہوں"۔ اور اس طرح ایک دوسرے کے متعلق ہم دونوں کے اندازے غلط ثابت ہوئے اور اس کے "سر" کے بار بار استعمال سے مجھے اپنا پیارا دوست حسن نثار بے اختیار یاد آیا۔

یہ کوئی تین چار سال ادھر کی بات ہے۔ میں کراچی گیا، تو مجھے پتہ چلا کہ حسن جوان دنوں صوبائی رابطہ وزارت میں افسر تھا اور اُن کے ایک پرچے کو ایڈٹ بھی کیا کرتا تھا، عبدالحفیظ پیرزادہ کے ہمراہ کراچی آیا ہوا ہے۔ میں نے اس کا کھوج نکالا اور فون کیا، تو بولا: "سر! اس وقت میرے پاس فلاں، فلاں اور فلاں بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ گواہ ہیں کہ میں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا ہوں..." شام کو ملاقات ہوئی، تو اُس نے بتایا کہ ایک محفل میں فہمیدہ ریاض مل گئی تھیں، میں نے انہیں کراچی میں آپ کی آمد کے متعلق بتایا، تو بچوں کی طرح خوش ہو کر بولی: "ہم تو اُن سے آٹو گراف لیں گے"۔ بعد میں اس کے گھر پر ملاقات ہوئی اور فہمیدہ نے اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے پراٹھے کھلائے۔ اب ہمیں چاہیئے کہ پراٹھوں سے کافی پر آ جائیں جس کی نئی بوتل اسی شام نبیلہ نے خریدی تھی اور اُس کا افتتاح کرنے کے لیے مجھے اپنے گھر چلنے کی دعوت دے رہی تھی، لیکن دیر ہو چکی تھی اور ساہیوال سے اوکاڑہ تک کا چالیس کلومیٹر کا سفر وسیلۂ ظفر ابھی موجود تھا۔ چلتے چلتے یہ اقبالِ جرم کرتا چلوں کہ حسن نثار کے پرچے "احساسات" کے لیے میں ابھی تک کوئی خدمت انجام نہیں دے سکا اور محض یار زندہ صحبت باقی کہہ کر اپنے ضمیر کی خلش کو دبا دیا کرتا ہوں۔

یومِ قائداعظم کی اس روشن تقریب کی جزوی رپورٹ ہفت روزہ "اسلامی جمہوریہ" میں ہم کر چکے ہیں، یعنی چیف سیکرٹری صاحب کے ساتھ واجبی انصاف ہو چکا ہے، ماسوائے اس کے کہ محفل میں موجود ایک مولوی صاحب نے انہیں پانی پینے کا اسلامی طریقہ بتایا اور خود انہوں نے اپنی منہ زبانی تقریر میں جناب ایم مسعود کی انگریز بیزاری اور پنجابی پسندی کی تعریف کی اور کہا کہ اس جوش و جذبے کے باوجود موصوف اپنے نام کا آغاز ایم سے کرتے ہیں۔

ہاری کمیٹی رپورٹ فیم جناب ایم مسعود کھدر پوش اُس روز بھی حسبِ معمول نہایت ڈرامائی انداز میں آئے، جبکہ جلسے کی نصف سے زیادہ کارروائی ہو چُکی تھی۔ آپ کو صدر قائدِ اعظم کمیٹی جناب اسلم طاہر القادری لاہور سے کار میں اڑا کر لائے تھے جو مقامی سینئر ایڈووکیٹ اور معروف ادب دوست جناب میاں محمد صدیق کامیانہ نے معہ پٹرول زندگی میں غالباً پہلی بار کسی کو عاریتاً دی تھی۔ مسعود بھگوان ہال میں داخل ہوتے ہی، بیشتر اس کے کہ سیکرٹری جلسہ انہیں مہمانِ خصوصی کے لیے وقف کُرسی پر تشریف رکھنے کی استدعا کرتے، نہایت سادگی اور وقار کے ساتھ مخصوص کُرسی پر بیٹھ گئے جو صدرِ مجلس جناب مسعود نبی نور کے پہلو میں بچھی ہوئی تھی۔ اس سے وقت بھی بچ گیا اور کارروائی میں خلل بھی نہیں پڑا اور سب لوگ اس تکلیف سے بھی بچ گئے جو بقول ذوق تکلف میں ہوا کرتی ہے۔

مسعود صاحب کی تقریر پنجابی میں تھی، سادہ، شگفتہ اور دلپذیر۔ قائداعظم کے حوالے سے آپ کی تقریر کا موضوع بھی سادگی تھا جس میں آپ نے محض ملکی مصنوعات کے استعمال پر زور دیا اور بتایا کہ کس طرح قائداعظم نے پاکستان کے عالمِ وجود میں آتے ہی انگریزی لباس اور غیر ملکی مصنوعات کا استعمال ترک کر دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ ان کے جملہ ملبوسات ملکی کپڑے سے تیار کروائے جائیں۔ اس طرح وہ پوری قوم کے سامنے ایک مثال قائم کرنا چاہتے تھے، لیکن موت نے انہیں مُہلت نہ دی اور یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا، ورنہ آج اس ملک و قوم کا اقتصادی نقشہ بالکل مختلف ہوتا۔

دیر سے آنے میں پروفیسر راجہ عبدالقادر کیانی، مسعود صاحب سے بھی نمبر لے گئے کہ ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ دعوتی کارڈ پر چھپے ہوئے پروگرام میں ان کا نامِ نامی نمایاں تھا۔ لمبے تڑنگے، خوش طبع اور خوب صورت خیال۔ موصوف کا پہلا حوالہ تو یہ ہے کہ نبیلہ کے ابّی ہیں۔ فرید ٹاؤن میں واقع اپنی رہائش گاہ کے عقبی حصے میں آموں کے بے شمار درخت اور کچھ حصے میں یعنی ایک ہی قطعے پر آلو، گلاب، نرگس اور لہسن اُگانے والا یہ شخص بظاہر ریٹائرڈ، لیکن بباطن پُر عمل زندگی گزار رہا ہے۔ موجودہ ڈپٹی کمشنر نئے نئے ساہیوال آئے، تو دریافت کیا: "اس نواح میں کوئی دانشور بھی ہے"؟ جواب میں انہیں صرف راجہ صاحب کا پتہ بتایا گیا جو ڈی سی محمد اشرف کی رہائش گاہ سے تقریباً ایک میل کی مسافت پر ہے اور راجہ صاحب سے ملنے کے لیے موصوف پیدل ان کے ہاں گئے۔

راجہ صاحب اس وقت کسی عزیز کی شادی میں شرکت کر کے آ رہے تھے۔ اُن کی تقریر ایک آبِ رواں تھی، سہج سہج، بیساختہ اور دلنواز۔ انہوں نے اور بہت سی پُر لطف باتوں کے علاوہ "قائداعظم" کی اصول پسندی، خودداری اور فرض شناسی پر مبنی چند واقعات

یونیورسٹی آف ایگریکلچر فیصل آباد

شارٹ ٹنڈر نوٹس

یونیورسٹی کے "اے" کلاس منظور شدہ ٹھیکیداران پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے منظور شدہ "بی" کلاس ٹھیکیداران اور بی۔ کلاس ای۔ اے ٹھیکیداران برائے الیکٹرک ورکس، جنہوں نے سالِ رواں کے لیے فیس جمع کرا دی ہو، سے ۲۱/۱/۷۹ کے ۱۱½ بجے دن تک مندرجہ ذیل کاموں کے لیے سربمہر آئیٹم ریٹ / پرسنٹیج ریٹ ٹنڈر مطلوب ہیں۔

نمبر شمار	نام کام	تخمینہ لاگت	زرِ امانت	مدتِ تکمیل	قیمت ٹنڈر فارم
	سول ورکس				
۱	سی۔ وی۔ ایس لاہور کے مقام پر ہاسٹل کی آر۔ بی چھتوں کو ایس/آر میں تبدیل کرنا۔	۱,۶۴,۹۲۰/- روپے	۳۲۹۸/- روپے	۵ ماہ	۵۰/- روپے
۲	سی۔ وی۔ ایس لاہور کے مقام پر مین بلڈنگ کی چھتوں کو ایس/آر میں تبدیل کرنا۔	۱,۸۹,۱۲۰/- روپے	۳۷۸۲/- روپے	۵ ماہ	۵۰/- روپے
۳	سی۔ وی۔ ایس لاہور کی روڈز اور فٹ پاتھ کی رینوویشن اور پیومنٹ۔	۳,۲۲,۰۰۰/- روپے	۶۴۴۰/- روپے	۶ ماہ	۵۰/- روپے
۴	سی۔ وی۔ ایس لاہور میں مسجد اور سٹوڈنٹس ہوسٹل کے عقب میں باؤنڈری وال کی تعمیر/رینوویشن	۳۵,۲۲۵/- روپے	۷۰۵/- روپے	۲ ماہ	۳۰/- روپے
۵	سی۔ وی۔ ایس لاہور کے مقام پر فردوس پارک میں ارتھ فلنگ اور پروویژن آف باؤنڈری وال برک پیونگ آف سٹریٹ وغیرہ۔	۱,۶۵,۰۰۰/- روپے	۳۳۰۰/- روپے	۵ ماہ	۵۰/- روپے
۶	سی۔ وی۔ ایس لاہور کے مقام پر کیفے ٹیریا کی تعمیر۔	۱,۰۰,۰۰۰/- روپے	۲۰۰۰/- روپے	۳ ماہ	۳۰/- روپے
۷	یونیورسٹی آف ایگریکلچر فیصل آباد کی گلفشاں کالونی میں باؤنڈری وال کی تعمیر۔	۳,۰۰,۰۰۰/- روپے	۶۰۰/- روپے	۲ ماہ	۲۰/- روپے
۸	گیسٹ ہاؤس فیز II کی تعمیر	۳,۵۰,۰۰۰/- روپے	۷۰۰۰/- روپے	۴ ماہ	۵۰/- روپے
۹	سٹوڈنٹس ٹیچر سنٹر کے مقام پر باتھ روم کی تعمیر۔	۱,۰۰,۰۰۰/- روپے	۲۰۰۰/- روپے	۳ ماہ	۳۰/- روپے
۱۰	باؤنڈری وال فیز II (پانڈ ایریا) کی تعمیر۔	۲,۴۸,۹۰۰/- روپے	۴۹۷۸/- روپے	۴ ماہ	۵۰/- روپے
	الیکٹرک ورکس				
۱۱	سی۔ وی۔ ایس لاہور کے مین ہوسٹل کی الیکٹرک وائرنگ کی ایس/آر۔	۱,۰۶,۲۴۵/- روپے	۲۱۲۵/- روپے	۵ ماہ	۵۰/- روپے
۱۲	فیکلٹی آف ایگریکلچر کے ایئر کنڈیشننگ یونٹس کی کمشننگ۔	۴۱,۲۸۶/- روپے	۸۲۵/- روپے	۱ ماہ	۵۰/- روپے
۱۳	ایگریکلچرل انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی فیکلٹی کے ایئر کنڈیشننگ یونٹس کی کمشننگ	۵۱,۹۲۳/- روپے	۱۰۳۸/- روپے	۱ ماہ	۵۰/- روپے
۱۴	فیکلٹی آف ویٹرنری سائنس کے ایئر کنڈیشننگ یونٹس کی کمشننگ۔	۲۳,۲۶۵/- روپے	۴۶۵/- روپے	۱ ماہ	۲۵/- روپے
۱۵	نیو کیمپس یو۔ اے فیصل آباد کے مقام پر .... اکے وی سٹینڈ بذریعہ جنریٹر کی تنصیب۔	۴۲,۰۰۰/- روپے	۸۴۰/- روپے	۳ ماہ	۳۰/- روپے
۱۶	سٹوڈنٹس ہوسٹل کی الیکٹریفیکیشن۔	۱,۴۱,۹۲۲/- روپے	۲۸۳۹/- روپے	۴ ماہ	۵۰/- روپے
۱۷	فارم ہوسٹل کی الیکٹریفیکیشن۔	۱,۳۸,۱۷۲/- روپے	۲۷۶۴/- روپے	۲ ماہ	۵۰/- روپے
۱۸	ایکسٹرنل الیکٹرک لائن ٹو ہوسٹل۔	۵۶,۷۹۶/- روپے	۱۱۳۶/- روپے	۲ ماہ	۳۰/- روپے

سُنا کر محفل کو صحیح معنوں میں گرما دیا۔

انہوں نے بتایا کہ تقسیمِ ہند سے قبل کی بات ہے کہ گوجرانوالہ سے ایک جاگیردار جو تارڑ فیملی سے تعلق رکھتے تھے اور اسمبلی کے رُکن بھی تھے، انہیں ان کے بعض ووٹروں نے مجبور کیا کہ قائدِاعظم سے سفارش کریں کہ وہ وائسرائے سے کہہ کر مقدمۂ قتل میں سزایافتہ اُن کے چند رشتہ داروں کی سزا معاف کرادیں۔ تارڑ صاحب نے قائدِاعظم سے ملاقات کا وقت مانگا جو پارٹی ممبر ہونے کی وجہ سے انہیں مل گیا، چنانچہ وہ متعلقہ ووٹروں کو ہمراہ لے کر پہنچے اور اپنے ووٹران کا تعارف کرایا اور جب مدّعا بیان کر چکے، تو انہوں نے دیکھا کہ قائدِاعظم کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور غصّے کی شدّت میں ان کی زبان سے صرف یہ دو لفظ نکلے: "گیٹ آؤٹ"! تارڑ صاحب ابھی اپنی سراسیمگی ہی میں بیٹھے تھے کہ پٹھان اردلی کو حکم دیا: "انہیں باہر نکال دو۔"

قائدِاعظم ایک بار اندرونِ ملک سفر کر رہے تھے۔ وہ جس ہوائی جہاز میں سوار تھے، اُس میں ان کی ہم سفر ایک خاتون تھیں، ارونا آصف علی۔ قائدِاعظم نے دورانِ سفر موصوفہ کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا اور مطالعہ میں مصروف رہے۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچ کر ہوائی جہاز سے دونوں مسافر برآمد ہوئے، تو ائیرپورٹ پر منتظر اخبار نویسوں میں بجا طور پر تجسّس پیدا ہوا کہ دو اہم آدمی اکٹھے سفر میں رہے ہیں، ضرور اہم مسائل پر گفتگو ہوئی ہوگی؛ چنانچہ کچھ اخبار نویس مسز ارونا آصف علی کی طرف لپکے اور سوال داغ دیا۔ وہ پہلے ہی جلی بھُنی آرہی تھیں، بولیں: "اس شخص سے زیادہ بددماغ آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔"

ناکام شملہ کانفرنس کا ذکر ہے جس میں جملہ مدعوئین کو شملہ کے اعلیٰ ہوٹل سیسل میں ٹھہرایا گیا تھا اور تمام مدعوئین کا خرچہ حکومت نے برداشت کیا تھا۔ کانفرنس کے اختتام پر حکومتی نمائندے بِل کی ادائیگی کے لیے قائدِاعظم کے پاس بھی گئے، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اپنا بِل خود ادا کریں گے اور سارے وفد میں قائدِاعظم تنہا ڈیلیگیٹ تھے، جنہوں نے اپنا بِل خود ادا کیا۔

ہونہار مقامی شاعر جاوید راہی یہ خوبصورت غزل ابھی ابھی سُنا کر گئے ہیں۔ آپ بھی سُنیئے:

زندگی، وابستہ تجھ سے کچھ ادھر میرا بھی ہے
تیرے خوابوں کے خلاء میں کچھ سفر میرا بھی ہے
اُڑ چکی ہیں سب لکیریں بن کے جگنو ہاتھ سے
ظُلم کی اس داستان میں کچھ ہُنر میرا بھی ہے
ڈُوبتے سورج کی کرنیں شب کے ماتھے کا چراغ!
سوچ لیجئے، کچھ تقاضا ان کے سر میرا بھی ہے
ہر طرف سے کھینچ دی دیوار تُو نے آگ کی!
میرے جلتے گاؤں سے کچھ دور گھر تیرا بھی ہے
سب کو بانٹا پیار تُو نے اور ساری شفقتیں!
منتظر راہی رہا، کچھ نامہ بر میرا بھی ہے؟

یہ ٹنڈر یونیورسٹی انجنیئر۔ یونیورسٹی آف ایگریکلچر فیصل آباد کے دفتر میں ٹھیکیداروں یا ان کے مختار نمائندوں کی موجودگی میں کھولے جائیں گے۔

پراجیکٹ ڈائریکٹر کو حقوق حاصل ہیں کہ وہ بغیر وجہ بتائے کسی ٹنڈر کو قبول یا تمام ٹنڈروں کو مسترد کرے۔

یونیورسٹی سٹور سے کوئی میٹیریل دستیاب نہ ہوگا سوائے سیمنٹ کے (اگر سٹور میں ہوا) جو ۳۸/۵۰ روپے فی بیگ بمعہ بیگ مل جائے گا۔

علیحدہ ٹنڈر فارم دستخط کنندہ ذیل کے دفتر سے قیمت (ناقابلِ واپسی) کی ادائیگی پر جو ہر کام کے سامنے درج ہے۔ کسی یومِ کار کے دفتری اوقات میں ۱۲ بجے تک حاصل کئے جاسکتے ہیں

زرِ امانت بحساب تخمینہ لاگت کے دو فی صد (۲٪) بصورت ڈیپازٹ ایٹ کال بحق یونیورسٹی انجنیئر۔ یونیورسٹی آف ایگریکلچرل فیصل آباد ہر ایک ٹنڈر کے ہمراہ منسلک ہونی چاہیئیں۔

کامیاب ٹھیکیداروں کو پی ڈبلیو ڈی کی منظور کردہ تصریحات کے مطابق اور دستخط کنندہ ذیل کے مکمل اطمینان کے مطابق اور مقررہ مدت کے اندر کام کو سرانجام دینا ہوگا۔ بصورت دیگر ۵٪ جرمانہ بل میں سے چارج کیا جائے گا۔

بجلی کے کام کیلئے صرف وہی ٹھیکیدار جن کے پاس الیکٹرک کنٹریکٹر لائسنس برائے زیجن ہذا ہو ٹنڈر دے سکتے ہیں۔

برائے آئیٹم نمبر ۳ برائے کام ای۔ آئی۔ بلڈنگ کے ساتھ ساتھ کام شروع کرنا ہوگا۔

برائے آئیٹم نمبر ۴ بی کلاس منظور شدہ ٹھیکیدار آف پی ڈبلیو ڈی۔ ہائی وے ڈیپارٹمنٹ بھی ٹنڈر دینے کے مجاز ہیں۔

مزید معلومات دستخط کنندہ ذیل کے دفتر سے کسی یومِ کار کے دفتری اوقات میں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

بذریعہ تار ارسال کردہ ٹنڈر قبول نہیں کئے جائینگے اور ٹنڈر کھلنے کے دن کوئی ٹنڈر جاری نہیں کیا جائے گا۔

ملک امان اللہ خان
اگزیکٹو انجنیئر۔ ڈیپارٹمنٹ آف انجنیئرنگ کنسٹرکشن
یونیورسٹی آف ایگریکلچر۔ فیصل آباد

IPL - 219

نمائندہ خصوصی پشاور

پاکستان کی وزارتِ تعلیم اور امریکی ثقافتی ادارے کے زیرِ اہتمام

برِصغیر کی اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش

- ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی کو "سپاہیوں کی بغاوت" اور مغل بادشاہوں کو "جابر حکمران" کا نام دیا گیا۔
- ریسرچ امریکہ میں تجربہ پاکستانی بچوں پر
- یہ سب انڈیانا یونیورسٹی گروپ کی سازش تو نہیں؟

مرکزی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصابات) اور امریکی ثقافتی ادارے کے زیرِ اہتمام انگریزی تدریس کی جدید تراکیب پر ایک سیمینار کراچی میں بیس دن جاری رہا جس میں چاروں صوبوں سے کالجوں میں انگریزی پڑھانے والے اساتذہ نے شرکت کی، ان کی تعداد ۳۰ تھی، اس پروگرام کے لئے ایک امریکی پروفیسر مسز من ٹلون تشریف لائیں۔ اس کے علاوہ امریکی سکول کے مسٹر بیچر، مسٹر فلپ اور امریکی ثقافتی افسر ڈاکٹر بلینڈ نے اساتذہ کے فرائض سرانجام دیئے۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے جن افراد نے اس سیمینار میں انسٹرکٹرز کے فرائض انجام دیئے ان میں پروفیسر میاں محمد افضل (ان کے نظریات ڈھکے چھپے نہیں اور یہ معروف قادیانی ہیں) کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر روز ادا اینا بھی تھیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی ان پروفیسر صاحبہ نے "انگریزی سیکھنے میں پاکستانی طلبہ کے نفسیاتی مسائل" کے موضوع پر مقالہ پڑھا

اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو "سپاہیوں کی بغاوت" قرار دیا، مغل بادشاہوں کو "جابر حکمران" کے نام سے پکارا اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر یہاں تک فرمایا کہ انگریزوں نے متحدہ ہندوستان میں انگریزی کو جبراً رائج نہیں کیا تھا۔ انگریزوں کی اس وکالت اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی اس افسوسناک حرکت پر ایک پروفیسر نے احتجاج بھی کیا، لیکن ڈاکٹر روز ادا اینا اپنی روش پر ڈٹی رہیں، بلکہ خود پاکستانی اساتذہ میں سے پروفیسر مسز ذکیہ سرور (سرسید کالج کراچی) اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ظفر اقبال فاروقی ان محترمہ کی تائید کرتے ہوئے کہنے لگے، "ہمیں حقائق کا سامنا کرنا چاہئے۔"

یہ بات ناقابلِ فہم ہے کہ انٹر کلاسز کے کورس پر اس سیمینار میں ان صاحب کو کیوں مدعو کیا گیا؟ پروفیسر فاروقی بدنامِ زمانہ کمیونسٹ ہیں جنہوں نے پاک فوج کی تضحیک کرنے میں ذرہ برابر دریغ نہ کیا۔

حکومتِ پاکستان "کریکلر ونگ" کے ڈائریکٹر شوکت صدیقی (ڈپٹی ایجوکیشن ایڈوائزر) نہ جانے کن نظریات کے حامل ہیں کہ اس سیمینار کے لئے بطورِ انسٹرکٹر ان افراد کا انتخاب کیا گیا جو اپنے ناپسندیدہ نظریات کی بناء پر معروف ہیں۔

پروفیسر صدیق کلیم صاحب دو روز کے لئے تشریف لائے۔ موصوف کمیونسٹ نظریات کے علمبردار ہونے کے علاوہ کسی خاص تعلیمی قابلیت کے حامل بھی نہیں رہے۔ یہ صاحب حکومت پنجاب کے وظیفے پر بی اے آنرز کے لئے لندن گئے اور پہلے ہی سال فیل ہو گئے۔ برطانوی حکومت نے یونیورسٹی سے نکال دیا، تو صدیق کلیم صاحب برطانیہ میں متعین پاکستان ایجوکیشن کونسلر ڈاکٹر امداد کے پاؤں پڑ گئے۔ بالآخر انہیں ایم۔ اے میں داخلہ دلا دیا گیا اور جناب صدیق کلیم شیلے کے ملحدانہ خیالات پر ریسرچ اور ڈگری لے کر پاکستان تشریف لے آئے اور آج کل تعلیمی پالیسی بنانے کے سب سے بڑے افسر (ڈائریکٹر کریکلم) بنے ہوئے ہیں۔

یہ ورکشاپ جس پر حکومتِ پاکستان کا کم و بیش ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا، پاکستان میں انگریزی کی تدریس کے خلاف انڈیانا گروپ کے اساتذہ کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ دس بارہ سال پیچھے نظر دوڑائیں تو پنجاب یونیورسٹی کے ادارہ تعلیم و تحقیق پر نگاہ پڑتی ہے جو امریکی امداد سے شروع ہوا اور اس میں تعلیم و تحقیق کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔ شروع میں یہاں زیادہ تر استاد امریکی تھے۔ دراصل امریکی حکومت اپنے ملک میں مختلف ذریعہ ہائے تدریس اور لسانیات پر تحقیق کر رہی تھی اور اس کا عملی تجربہ وہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں کرنا چاہتی تھی، چنانچہ اس مقصد کے لیے پہلے تین برسوں کے کامیاب ایم ایڈ اساتذہ کو وظائف دیئے گئے اور انہیں انڈیانا یونیورسٹی میں دو سال کے بعد تعلیم و تحقیق میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری دے دی گئی۔ جناب شوکت صدیقی بھی انہی اساتذہ میں سے ہیں۔ یہ وہی انڈیانا گروپ ہے، جس نے پاکستان میں حساب کی تعلیم میں "سیٹ سسٹم" رائج کیا ہے۔ حالانکہ خود امریکہ میں یہ "سیٹ سسٹم" کامیاب نہیں ہو سکا اور چودہ میں سے گیارہ یونیورسٹیوں نے یہ سسٹم بالآخر مسترد کر دیا۔

اس سیمینار میں اساتذہ کو سمعی و لسانی طریقے کی تعلیم دی گئی کہ سننے اور بولنے پر زور دیا جائے، حالانکہ ہمارے ہاں تحریری امتحانات ہوتے ہیں اور طلبہ نے پرچے لکھ کر امتحان پاس کرنا ہوتا ہے۔ امریکہ والے اس طریقے کا تجربہ پاکستان میں کرنا چاہتے ہیں اور یہ نیا طریقہ ابھی تک امریکی یونیورسٹیوں میں رائج نہیں ہوا۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ انگریزی کی تدریس پر تحقیق امریکہ میں ہو اور اس کا عملی تجربہ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں کیا جائے۔ پاکستانی اساتذہ نے اگر ملایا میں جا کر پڑھانا ہو تو متذکرہ بالا میتھڈ صحیح ہو گا کہ ملائی بچوں کی زبان ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور ہماری زبان ملائی بچوں کی زبان سے مختلف ہو گی، لیکن اپنے ہاں تو ہم بچوں کو بآسانی گرامر ٹرانسلیشن کے ذریعے پڑھا سکتے ہیں۔ اس ورکشاپ میں پاکستانی اساتذہ نے اس امر پر اصرار کیا کہ ہمارے ہاں گرامر ٹرانسلیشن کا طریقہ زیادہ مفید اور صحیح ہے تو امریکیوں کا جواب تھا۔ "آپ جیسے مرضی پڑھائیں، ہم تو آپ کو بیرونی دنیا اور بطورِ خاص امریکہ میں انگریزی تدریس کی جدید تراکیب سے روشناس کرانا چاہتے ہیں۔"

●●

سرگودھا اعلیٰ اور فنی تعلیم سے محروم ہے

تعلیمی مسائل پر اسلامی جمعیت طلبہ سرگودھا کے ناظم وقار ندیم وڑائچ سے انٹرویو ———

سرگودھا پنجاب کا ایک اہم ڈویژن اور اہم ضلع ہے ۱۹۶۵ء میں "شاہینوں کا شہر" کا خطاب پایا۔ یہ ڈویژنل ہیڈکوارٹر ہے لیکن قوم کے مستقبل یعنی طلبہ کو ابھی تک یہاں پوری سہولتیں میسر نہیں آسکیں۔ اکثر طلبہ کو گریجویشن کے بعد لاہور، راولپنڈی اور فیصل آباد کا رُخ کرنا پڑتا ہے اور قوم کے جو نونہال اپنے تعلیمی اخراجات کی کفالت نہیں کر سکتے، وہ علم کی روشنی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

سرگودھا کے تعلیمی مسائل کے متعلق ہم نے اسلامی جمعیت طلبہ سرگودھا کے ناظم وقار ندیم وڑائچ سے گفتگو کی۔ اس گفتگو میں گورنمنٹ کالج سرگودھا کے صدر ضیاء گوندل بھی شریک تھے۔

س: یہاں عام طور پر کالجز کے بڑے مسائل کیا ہیں؟

ج: ڈویژنل ہیڈکوارٹر ہونے کے باوجود ابھی تک سرگودھا میں تعلیمی اداروں کی تعداد بہت کم ہے اور اس کے مقابلے میں طلبہ کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ اس کے بعد جو تعلیمی ادارے ہیں، وہ بھی مسائل کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سے طلبہ گریجویشن کرنے کے بعد صرف اور صرف تعلیمی اخراجات برداشت نہ کرنے کے باعث اعلیٰ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں اور یوں ملک اپنے بیشتر نونہالوں کی صلاحیتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ سرگودھا میں صرف ۵ کالجز ہیں جن میں دو فنی ادارے ہیں۔

گورنمنٹ کالج، انبالہ مسلم کالج، گورنمنٹ کالج آف کامرس، گورنمنٹ ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ، گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی

ان میں سب سے بڑا گورنمنٹ کالج سرگودھا ہے۔ اس کالج میں پہلے مسٹر غلام جیلانی اصغر پرنسپل تھے۔ ان کے دور میں بے پناہ دھاندلیاں ہوئیں۔ جمعیت نے بھرپور تحریک چلا کر ان کی چھٹی کروائی، لیکن ان کے لگائے ہوئے زخم آج بھی محسوس ہو رہے ہیں۔ ہم حکومت سے کہتے ہیں کہ وہ فوری طور پر سابق پرنسپل غلام جیلانی اصغر کے خلاف تحقیقات کروائے تاکہ آئندہ کسی کو طلبہ کے مستقبل سے کھیلنے کی جرأت نہ ہو۔

اعلیٰ تعلیم مہیا کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج سرگودھا میں ایم اے کی کلاسز کا فوری اجرا کیا جائے۔

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے اپنے دورۂ سرگودھا کے وقت ہم سے ملاقات کے دوران میں اس کالج کے لیے ایک بس دینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن ابھی تک وہ بس نظر نہیں آئی۔ اس کے علاوہ طلبہ کے لیے الیکٹرک کولر لگایا جائے۔

گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج جس کی عمارت کا سنگِ بنیاد برسوں پہلے رکھا جا چکا ہے، لیکن ابھی تک اس کی تعمیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی، نہ ایسے امکانات ہیں۔ اس عمارت کا جلد از جلد مکمل کیا جانا بہت ضروری ہے۔ یہاں پر سائیکل سٹینڈ ایک کھلے احاطے پر مشتمل ہے اور اکثر موقع پر یہاں سے سائیکل چوری ہوتے ہیں، لیکن کالج انتظامیہ نے اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اس کے علاوہ طلبہ کے لیے ٹیلی فون بوتھ لگایا جانا ضروری ہے۔ گورنمنٹ کالج آف کامرس اور گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی ــ میں بالترتیب بی کام اور بی ٹیک کی کلاسز کا اجرا کیا جائے اور ہاسٹل میں طلبہ کے لیے ٹیلی فون بوتھ لگائے جائیں۔

س: انجمن طلبہ (اسٹوڈنٹس یونینز) کے انتخابات میں کیا صورتِ حال رہی؟

سرگودھا کے تین کالجز میں پنجاب بھر کے کالجز کی طرح ۳۱ اکتوبر کو پولنگ ہوئی۔ جمعیت نے بھرپور انداز سے انتخابی مہم میں حصہ لیا اور طلباء نے جمعیت پر مکمل اعتماد کا اظہار کر کے یہ بات ثابت کر دی کہ قوم کی نئی نسل کی ترجمانی کا حق صرف اور صرف اسلامی جمعیت طلبہ کو حاصل ہے۔

گورنمنٹ کالج سرگودھا جو کہ سب سے بڑا کالج ہے، اس میں انتخابی معرکہ برپا ہوا تو ـــ جمعیت کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کی پروردہ پی ایس ایف، اسلام اور نظریۂ پاکستان کی علمبردار مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور سوادِ اعظم کی دعویدار انجمن طلبہ اسلام نے مشترکہ طور پر پینل کھڑا کیا۔ ان کی پشت پر پیپلز پارٹی کی ساری قوت تھی۔ جمعیت پر حکومت کی پٹھو ہونے کا الزام عائد کیا گیا ــ لیکن طلبہ نے فیصلہ جمعیت کے حق میں ہی دیا ـــ صدر خالد ضیاء گوندل اور نائب صدر ضیاء الرحمٰن قریشی جو کہ جمعیت کے نامزد کردہ تھے، بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گئے۔ اسی طرح انبالہ مسلم کالج سرگودھا میں جمعیت کا پرچم بلند رہا اور ۳۱ اکتوبر کی شام کو نتائج ظاہر ہوئے، تو پورا پینل مخالفین کو بھاری اکثریت سے شکست دے کر کامیاب ہو چکا تھا۔ گورنمنٹ ووکیشنل انسٹی ٹیوٹ میں جمعیت کے نائب صدر اور جوائنٹ سیکرٹری اور کلاس نمائندگان کو بھاری اکثریت کامیاب ہوئی۔ ابھی دو کالجز میں انتخابات ہونے باقی ہیں۔ جمعیت کے پاس وہاں بھی مؤثر قوت موجود ہے اور ان شاء اللہ ہم وہاں بھی کامیاب ہوں گے۔

س: کالجز میں نظریۂ پاکستان اور اسلام کے مخالف افراد کا کیا کردار ہے؟

ج: نظریۂ پاکستان اور اسلام کے مخالف اساتذہ دوسرے

کراچی میں

گلف ہوٹل

صدر کے بارونق علاقہ میں

بالکل نیا اول درجہ کا

سنٹرلی ایرکنڈیشنڈ ہوٹل

اعلیٰ درجے کے ہوٹلوں کی تمام سہولیات مثلاً جدید ترین لفٹ، پُرسکون کمرے جو بہترین آرام دہ فرنیچر سے آراستہ ہیں۔ ہر کمرے میں ٹیلیفون ٹیلکس سروس۔ سواری کی سہولت ہر وقت مہیا رہتی ہے۔ اوّل درجے کا ایرکنڈیشنڈ ریسٹورنٹ۔ کشادہ لابی اور سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کی خدمت کے لیے مُستعد سٹاف۔ کرایہ انتہائی مناسب۔

gulf hotel

FRERE STREET SADAR
KARACHI
PAKISTAN

Telephones : 515831_39

(9 LINES)

مقامات کی طرح یہاں بھی موجود ہیں۔

گورنمنٹ کالج سرگودھا میں انگریزی کے استاد ممتاز شاہ جمعیت کی بھرپور مخالفت کرتے ہیں اور ان کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ جمعیت کے مخالفین اور بھٹو کے حامی عناصر اکٹھے کر کے تخریب کاری کریں۔ ان کے علاوہ ریاض احمد شاد، پنجابی کے استاد، "سرخ ذہنیت" کے مالک ہیں۔ ملک افضل جو کہ پیپلز پارٹی کے چہیتے ہیں، قائدِ عوام کی مدح سرائی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

حبیب اللہ اترا پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں، ہاسٹل میں طلبہ کو دو گروہوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک ہفت روزے میں ان کی کارگزاریوں کی رپورٹ بھی شائع ہو چکی ہے، لیکن ابھی تک حکام بالا کی طرف سے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔

گورنمنٹ انبالہ مسلم کالج سرگودھا کے پرنسپل کا تقرر ایک سابق عوامی وزیر نے صرف اور صرف جمعیت کو دبانے اور طلبہ کو ہراساں کرنے کے لیے کرایا تھا۔ یہ آج کل سابقہ عوامی حکومت کا دم بھرتے ہیں۔ شعبۂ انگریزی کے استاذ ظفر علی خان پکے سوشلسٹ ہیں۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ تعلیمی اداروں کے تقدس کو پامال کرنے اور اسلام اور نظریۂ پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے والے افراد کے خلاف موثر کارروائی کی جائے۔

●●

اسکول کیڈر کے سکیل ۱۷ کے اساتذہ کا مطالبہ

اضافی ترقیاں دی جائیں

سکول کیڈر کے سکیل نمبر ۱۷ کے اساتذہ جو ثانوی مدارس میں ہیڈ ماسٹرز، ہیڈ مسٹریسز، ایلیمنٹری کالجوں اور کمپری ہنسو ہائی سکولوں میں سبجیکٹ سپیشلسٹس اور تعلیمی دفاتر میں نائب نگران کی حیثیت سے فرائض سرانجام دے رہے ہیں، مدت دراز سے ایک شدید ناانصافی کا شکار ہیں۔ اس ضمن میں متعدد بار متعلقہ اربابِ اختیار سے رجوع کیا گیا، لیکن افسوس کہ اب تک اس ناانصافی کا ازالہ نہیں ہو سکا۔ اب "ہم زندگی" کی وساطت سے براہِ راست جنابِ صدرِ مملکت سے اپنی گزارشات عرض کرنا چاہتے ہیں۔

گزشتہ حکومت نے گریڈ نمبر ۱۷ کے ڈاکٹروں اور انجنیئروں کو ۱۹۷۵ء سے پانچ اضافی ترقیاں دینے کا اعلان کیا، بعد میں کالج لیکچرارز کو بھی یہی ترقیاں یکم جولائی ۱۹۷۵ء سے دے دی گئیں۔ پھر فروری ۱۹۷۶ء میں ملک بھر کے سکول اساتذہ نے بھی ان ترقیوں کے حصول کے لیے تعلیمی بائیکاٹ کا اعلان کیا تو یکم ستمبر ۱۹۷۶ء سے سکول کیڈر کے سکیل نمبر ۱۷ کے اساتذہ کے سوا باقی تمام اساتذہ (سکیل نمبر ۱ تا سکیل ۱۶) کو ۴۰ روپے سے ۱۰۰ روپے ماہوار تک تدریسی الاؤنس دے دیا گیا۔ ۳۰ اپریل ۱۹۷۷ء کو ٹیکنیکل اور کمرشل اداروں کے سکیل نمبر ۱۷ کے فنی اساتذہ کو بھی کالج لیکچرارز کی طرح پانچ اضافی ترقیاں دینے کا فیصلہ ہو گیا اور اس پر عمل درآمد موجودہ حکومت نے کیا۔

لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ سکول کیڈر کے سکیل نمبر ۱۷ کے اساتذہ ہر بار اس سے محروم رہے۔ اس ضمن میں سابق حکومت کے دور میں بھی متعلقہ وزرا اور حکام بالا سے ملاقاتیں کی گئیں اور موجودہ دورِ حکومت میں بھی متعدد بار بیشتر وفاقی وزرا اور تعلیم کے اربابِ اختیار سے ملاقاتیں کر کے ان کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کروائی جا چکی ہے۔ تمام وزرائے کرام نے ہمارے مطالبے کو درست اور مبنی بر حقائق قرار دیتے ہوئے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا، لیکن ہنوز اس سلسلے میں کوئی مثبت حل سامنے نہیں آیا۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ جنابِ صدرِ مملکت اس بارے میں براہِ راست دلچسپی لیں گے، تاکہ ملک بھر کے ان چار ہزار متاثر اساتذہ میں بڑھتی ہوئی بے چینی اور مایوسی کا سدِباب ہو اور ملکی سطح پر تعلیمی شعبہ میں خوشگوار اثرات مرتب ہوں۔ نیز کالج کیڈر کی طرح ترقیاتی فارمولا کا اطلاق سکول کیڈر پر بھی کیا جائے تاکہ مزید بے چینی کا بھی سدِباب ہو۔

(اسلام الدین سیکرٹری جنرل آل پاکستان فیڈریشن آف ایسوسی ایشنز ہیڈ ماسٹرز آفیسرز ثانوی مدارس)

●●

اسلام آباد
نمائندہ خصوصی

نوجوانوں کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا

فیڈرل گورنمنٹ کالج اسلام آباد سٹوڈنٹس یونین کے سابق نائب صدر عبدالرشید مرزا اور نوجوانوں کے ترجمان جریدہ "جوان فکر" کے ایڈیٹر انور شاہد کی سعیٔ پیہم کے نتیجے میں اس کالج کی "اولڈ بوائز ایسوسی ایشن" کا قیام عمل میں آیا، تو اس کی افتتاحی تقریب گذشتہ روز کالج ہال میں منعقد ہوئی۔ فیڈرل کالج کی اوّلین سٹوڈنٹس یونین کے صدر زاہد عباسی کو اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی وفاقی وزیر مملکت جاوید ہاشمی تھے، جب کہ مقررین میں ڈائریکٹر ایجوکیشن راجہ اختر، پرنسپل پروفیسر محمد اکرم، طالب علم لیڈر بابر اعوان اور انور شاہد شامل تھے۔

اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے صدر زاہد عباسی نے (جو آج کل ارم ورلڈ وائڈ کے ڈائریکٹر برائے عرب دنیا ہیں) اپنی تقریر میں جاوید ہاشمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ نوجوانوں کا وہ قافلہ جس نے اپنے دورِ طالب علمی میں بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے تھے، اب اس کی صلاحیتیں انتشار اور بے یقینی کا شکار ہیں۔ مسٹر زاہد عباسی نے کہا کہ اگر حکومت کوئی بہتر منصوبہ بندی کرے، تو عربوں کے ساتھ ہمارے تجارتی اور دوسرے تعلقات بہت مستحکم ہو سکتے ہیں اور پاکستانی نوجوان بھاری تعداد میں عرب ممالک سے زرِ مبادلہ کما کر پاکستان بھجوا سکتے ہیں۔

جاوید ہاشمی نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ ان کی وزارت نوجوانوں کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کرنا چاہتی ہے، وہ اس مقصد کے لئے بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور عوام جلد ہی اس سلسلے میں واضح کارکردگی کو محسوس کریں گے۔ وفاقی وزیر مملکت نے نوجوانوں پر زور دیا کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کریں، تو نوجوان یقیناً ایک عظیم الشان معاشی انقلاب کا ہراول دستہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

●●

کپاس میں ملاوٹ کے چند عوامی نسخے

کسووال میں ـــــ زرعی میلے کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل سوار خان کو بتایا گیا کہ کاشتکاروں کی طرف سے ملاوٹ شدہ کپاس فروخت کی جارہی ہے، تو انہوں نے اس بات پر سخت افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا "نظامِ مصطفےٰ مانگنے والی قوم کو ملاوٹ قطعی طور پر زیب نہیں دیتی اور یہ کہ اگر لوگ اس فعل سے باز نہ آئے، تو ان کے خلاف مارشل لاء کے تحت سخت کارروائی کی جائے گی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے نہیں ڈرتے، وہ مارشل لاء سے کس حد تک ڈریں گے"۔

ایک مرتبہ جناب احمد ندیم قاسمی نے ملاوٹ کے سلسلے میں لکھا تھا کہ وہ بڑی مدت سے اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ہر چیز میں ملاوٹ ہوسکتی ہے، لیکن الائچی اور انڈہ دو چیزیں ایسی ہیں جن میں ملاوٹ ناممکن ہے۔ ان کی یہ خوش فہمی اس روز ختم ہوئی جب انہیں پتہ چلا کہ گذشتہ ماہ انہوں نے جو تیس انڈے نوشِ جان کئے تھے، ان میں سے بیس مرغی کے بجائے کچھوے کی تخلیقی کاوشات کا نتیجہ تھے۔ اسی طرح انہیں بتایا گیا کہ الائچی کو فروخت کرنے سے پہلے پانی میں ڈال کر اُبالا جاتا ہے۔ اس کے بعد الائچی کو خشک کرکے عوام کی لذتِ کام و دہن کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ اس عمل کی وجہ سے الائچی تو گاہک کے پاس چلی جاتی ہے، لیکن الائچی کا عرق ابالنے والوں کے گھر مفت کے تحفے کے طور پر رکھا رہ جاتا ہے۔ بالکل یہی حال کپاس کا ہے۔

بظاہر ایک عام سوجھ بوجھ کا شہری سوچ بھی نہیں سکتا کہ کپاس یعنی روئی میں کس چیز کی ملاوٹ کی جاسکتی ہے، لیکن جناب عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے۔ ہمارے بعض کاشت کار بھائیوں نے بڑا عرصہ پہلے اس کا حل ڈھونڈ نکالا تھا اور ملاوٹ کے بہت سے نادر اور حیرت انگیز طریقے ایجاد کر لیے تھے جو اتنے شافی اور کافی تھے کہ آج تک بڑی کامیابی سے برتے جارہے ہیں۔

کپاس میں ملاوٹ کے بہت سے طریقے ہیں۔ ایک تو بالکل قدرتی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ کھلی ہوئی کپاس کو صُبح سویرے چُن لیا جائے۔ اس طرح کپاس کے پھولوں پر گری ہوئی شبنم بھی ان کے ساتھ ہی چلی آئے گی۔ نم کپاس خشک کپاس کی نسبت کافی وزن دار ہوتی ہے، لہٰذا اس طرح شبنم بھی کپاس کے مول بک جاتی ہے۔

یاد رہے کہ اس مرتبہ کپاس کی قیمت دو سو روپے (فی چالیس کلوگرام) سے بھی اوپر یا اس کے لگ بھگ ہے۔ اگر یہ شبنم اونٹ کے منہ میں زیرہ محسوس ہو، تو فوارے کی مدد سے کپاس کے ڈھیر پر پانی سے باقاعدہ چھڑکاؤ کر دیا جاتا ہے۔

کچھ لوگوں کو یہ طور پسند نہیں، اس طرح زیادہ نرخ کی جستجو میں کپاس کو ذخیرہ نہیں کیا جاسکتا اور کپاس نمی کی وجہ سے بہت جلد خراب ہونے لگتی ہے، لہٰذا وہ دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور سفید رنگ کی ریت سے کپاس کے ڈھیر پر سپرے کرنا زیادہ مفید خیال کرتے ہیں۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ نرخ چڑھنے تک اسے ذخیرہ کیا جاسکتا ہے اور پانی کی نسبت وزن بھی زیادہ بڑھایا جاسکتا ہے۔

کچھ لوگ اس سے بھی زیادہ محتاط ہوتے ہیں۔ وہ شبنم آلود کپاس کی چُنائی کروانے کے بعد اس پر باریک پسا ہوا نمک چھڑک دیتے ہیں۔ یہ نمک گیلا ہو کر کپاس کے پھولوں میں جذب ہو جاتا ہے۔ اس طرح پچیس روپے من کا نمک دو سو روپے من تک فروخت ہو جاتا ہے۔ جب ملاوٹ شدہ کپاس کارخانوں میں پہنچتی ہے اور صنعتی مقاصد کے لیے اسے مشینوں سے گزارا جاتا ہے، تو یہ نمک نہ صرف اس وقت علیحدہ ہو جاتا ہے، بلکہ نہایت بیش قیمت مشینوں کو تباہ کرنے کا موجب بھی بنتا ہے۔

کپاس کی ملاوٹ کوئی راز نہیں، گاؤں کا بچہ بچہ یہ ہنر جانتا ہے اور بوقتِ ضرورت اسے استعمال بھی کرتا ہے، لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہنر سکھانے میں آڑھتی اور خود کارخانہ دار حضرات کا ہاتھ بھی ہے۔ یعنی ؎

یہ جو آوارگی ہے شبنم کی
اس میں کچھ جُرمِ آفتاب بھی ہے

دیکھنا یہ ہے کہ جنرل صاحب کی دھمکی کا ملاوٹ کرنے والوں پر کیا اثر ہوتا ہے؟ ویسے ہماری قوم دھمکیوں میں کم ہی آتی ہے مثال کے طور پر انہی جنرل صاحب نے گذشتہ ماہ محکمہ زراعت کے افسروں کو دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے نوکری کرنا ہے، تو سیدھے ہو جائیں اور گندم میں خود کفالت کے مشن کو کامیاب کرنے کے لیے عمدہ بیج اور کھاد کا وافر بندوبست کریں، بلکہ یہ دونوں چیزیں کاشت کاروں کے گھروں تک پہنچائیں۔ بیج اور کھاد بروقت گھروں تک تو کیا پہنچتے، وہ بازاروں ہی سے غائب ہو گئے۔

جنرل صاحب اتفاق سے قصبات کے دورے پر تو تھے ہی، وہ بے شک کسی دور دراز گاؤں میں جانے کی زحمت گوارا نہ کرتے۔ علاقے کے سب سے بڑے قصبے چیچہ وطنی سے گزرتے ہوئے کھاد کی کسی بھی دکان یا ڈپو پر رک کر فاسفورس والی کسی کھاد کے بارے میں پُوچھ لیتے۔ انہیں محکمۂ زراعت کی کارکردگی کا علم ہو جاتا۔ ہمارے ماہرین آجکل اس بات پر پُورا زور صرف کر رہے ہیں کہ بجائی کے وقت فاسفورس والی کھادیں ہر حالت میں استعمال کریں۔ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں، لیکن فاسفورسی کھادیں ہیں کہ بازار سے گدھے کے سینگوں کی طرح غائب ہیں۔

جنرل صاحب اگر اپنی پہلی دھمکی پر کچھ عمل کر سکیں، تو شاید یہ دوسری دھمکی کپاس کے ملاوٹیوں پر کچھ اثر کرے۔ وگرنہ گاؤں، گاؤں جگ ہنسائی الگ ہو گی اور لوگ باگ ہمارا یہ شعر گلیوں میں گنگناتے پھریں گے ؎

بیلے میں گا رہے تھے یہ پنچھی بیاس کے
دیکھیں تجھے تو ہنس پڑیں گلشن کپاس کے

●●

فرانس اور عرب ممالک جانے کے خواہشمند گھر بیٹھے بذریعہ خط و کتابت کورس مکمل کرلیں اور خود اعتمادی کے ساتھ زبان کا مسئلہ حل کرکے باہر روانہ ہوں

پیارے نبیؐ کی پیاری زبان

ڈاکٹر، انجینئر، مکینک، مستری، دفاتر اور بنکوں کے ملازمین کے لئے

عربی خط و کتابت کورس

جدید عربی اڈیشن "

عربی خط و کتابت مکمل کورس مع حل و پرچہ جات ۔ /۳۰ روپیہ

عربی خط و کتابت کورس جدید عربی اڈیشن ۔ /۴۰ روپیہ

ـــــ پراسپیکٹس بلا قیمت ـــــ

پرنسپل عربی خط و کتابت سکول

۸ ۲۵ من نگر۔ علامہ اقبال روڈ۔ لاہور

فون نمبر ۲۳۵۱۸ ۶۰۶۳۰

مظفر محمد علی

• کشمیریوں کے لیے دل آزار فلم

• مخبوط الحواس ایڈیٹر کی تنزلی

• اشفاق احمد کی "لسی میں پانی" سیریز

ریاض، امجد اور یاور کا مشترکہ "وارث"

"ایک حقیقت ایک افسانہ" کے سلسلے میں اس بار ریاض بٹالوی کے اخباری فیچر پر مبنی امجد اسلام امجد کا لکھا ہوا کھیل "وارث" یاور حیات نے پیش کیا۔ یہ بلاشبہ ایک خوبصورت کھیل تھا۔ تمام اداکار اپنے اپنے کرداروں میں خوب رہے اور یاور حیات کی ہدایات کے نتائج بہت معیاری تھے، لیکن اس کھیل کی سب سے اہم خصوصیت انجام میں پوشیدہ ہے۔ "وارث" کا انجام ایک ایسا معمّہ ہے جسے حل کرنے کی ذمّہ داری ناظرین پر چھوڑ دی گئی ہے۔ ناظر یہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ اصغر کی ماں اسے اصل صورتِ حال سے آگاہ کرے گی یا نہیں، کیونکہ وہ اگر اصغر کو اُس کی اصلیت سے آگاہ کرتی ہے تو وہ اسے اپنی ماں کی خودغرضی اور سازش قرار دے گا اور اگر وہ خاموش رہتی ہے تو اصغر ساری عمر اُسے سوتیلی ماں ہی سمجھتا رہے گا، حالانکہ وہ اُس کی حقیقی ماں ہے۔ سو یہ معمّہ ہی 'وارث' کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

'وارث' میں سرائیکی کرداروں کے حوالے سے سرائیکی لب و لہجے کی آمیزش بہت بھلی لگی ہے، لیکن بہتر ہوتا، اگر اس آمیزش کا آہنگ پورے کھیل میں جاری و ساری رہتا۔

اور ہاں 'وارث' کے حوالے سے ہم نے یہ تبدیلی بھی دیکھی کہ اخبار کے مخبوط الحواس ایڈیٹر (نثار قادری) کی تنزلی کرتے ہوئے اُسے میگزین ایڈیٹر بنا دیا گیا ہے۔ (ضیاء الاسلام انصاری صاحب مبارک ہو)

"امتحاں اور بھی ہیں"

اِس نام سے لاہور ٹی وی ماہِ رواں میں تحریکِ پاکستان کے حوالے سے ایک دستاویزی سیریز شروع کر رہا ہے جو کم از کم تین ماہ تک چلے گی۔ یاور حیات اس سیریز کے پروڈیوسر ہوں گے اور ہمیں اُمید ہے کہ وہ اپنی بھرپور صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے "امتحاں اور بھی ہیں" کو "تعبیر" کی مانند ایک دلچسپ اور یادگار سیریز بنانے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھیں گے۔

"آنکھوں آنکھوں میں" کشمیریوں کا احتجاج

حال ہی میں ایک نئی فلم "آنکھوں آنکھوں میں" ریلیز ہوئی ہے۔ اس فلم میں بنیادی کردار ایک کشمیری نوجوان کا ہے جسے شروع میں انتہائی بزدل بلکہ خاصا بے غیرت بھی دکھایا گیا ہے، لیکن بعد میں ہیروئن کی تحریک پر وہ بہادر اور غیرت مند بن جاتا ہے۔ اس فلم کے حوالے سے کشمیری بھائیوں میں غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی ہے اور اُن کا ردِّعمل اخبارات و جرائد کے حوالے سے منظرِ عام پر بھی آیا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ کشمیری ایک بہادر قوم ہے اور اُن کو بزدل اور بے غیرت دکھاتے ہوئے اُن کی شدید توہین کی گئی ہے، چنانچہ "آنکھوں آنکھوں میں" کی نمائش پر پابندی عاید کر دینی چاہیے۔

ہم سنسر بورڈ سے اپیل کرتے ہیں کہ اس فلم کو دوبارہ سنسر کیا جائے اور قابلِ اعتراض حصّوں کو فوری طور پر حذف کر دیا جائے۔

ٹی وی فلم۔ "نورباف"

"ایک محبت سو افسانے" کے شہرت یافتہ اشفاق احمد اور محمد نثار حسین کو "نورباف" کے حوالے سے دوبارہ ایک ساتھ کام کرنے کا موقع ملے گا۔ "نورباف" ایک ٹی وی فلم ہے اور یہ فلم نوّے منٹ کی ہو گی۔ اس فلم کو اشفاق احمد نے لکھا ہے اور اسے محمد نثار حسین پروڈیوس کریں گے۔ اس فلم میں نماز اور تقویٰ کی افادیت کو نمایاں کیا جائے گا۔ "نورباف" میں ٹی وی کے معروف ترین اداکار راحت کاظمی، خالد سعید بٹ، سائرہ کاظمی اور عصمت رضا میر وغیرہ کام کریں گے۔ فلم کا مرکزی کردار فاروق ضمیر کو دیا گیا ہے۔

"کلیاں" سے "لولی پاپ" تک

فاروق قیصر کے ایجاد کردہ کردار۔ ہیگا، انکل سرگم اور ماسی مصیبتے وغیرہ اب ایک فیچر فلم "لولی پاپ" میں بھی پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ "کلیاں" کے کرداروں کی مقبولیت اور کامیابی کا ایک بڑا ثبوت ہے۔ "کلیاں" بلاشبہ اب پہلے جیسا مؤثر پروگرام نہیں رہا، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ "کلیاں" اب بھی اپنی نوعیت کا واحد پروگرام ہے۔ ہمیں اس سلسلے کے کئی پروگرام دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور ہمیں اس کے طنزیہ اسلوب نے بہت متاثر کیا ہے۔

"کلیاں" کے ان کرداروں پر مبنی فلم "لولی پاپ" ایک ایسی فلم ہو گی جسے بنیادی طور پر تو بچّوں کے لیے بنایا جا رہا ہے، لیکن اُسے بڑے بھی دیکھ سکیں گے۔ ہم فرید احمد کو اس اقدام پر مبارکباد پیش کرتے ہیں، کیونکہ اُنہوں نے بچّوں کے لیے فلم بنانے کا ارادہ کر کے ایک بہت ہی نیک کام کا آغاز کیا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ دوسرے لوگ بھی بچّوں کے لیے فلمیں بنانے میں اب کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کریں گے اور حکومت بھی اِس سلسلے میں اُن سے بھرپور تعاون کرے گی۔

کولمبو کی بندش

یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ اُدھر ہم نے اپنے کالم میں کولمبو کی تعریفوں کے پُل باندھے۔ اُدھر ٹی وی والوں نے اُس کا 'جھٹکا' کر دیا اور وہ بے چارہ اپنی "حماقت اور شرافت" کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس پر ایک صاحب نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم جس پروگرام کو بند کروانا چاہیں، اُس کی ڈٹ کر تعریف کر دیا کریں۔ انشاء اللہ شفا ہو گی۔

سو ہم کولمبو کے بارے میں اپنے الفاظ واپس لیتے ہیں اور 'سٹار ٹریک' کی تعریف کرتے ہیں۔ واہ کیا شاندار سائنس فکشن ہے

ایک ہی قبیل کے لوگ

حال ہی میں "فلم رائٹرز اینڈ کمپوزرز ایسوسی ایشن" کے نام سے ایک تنظیم وجود میں آئی ہے۔ ذرا اس کے عہدیدار ملاحظہ ہوں۔ خواجہ پرویز صدر، ایم اشرف نائب صدر، تسلیم فاضلی سیکرٹری جنرل ریاض الرحمان ساغر جوائنٹ سیکرٹری اور کمال احمد خازن۔ اس پوری 'کیبنٹ' میں آپ کو اگر ایک بھی اوریجنل اور تخلیقی فنکار ملا ہو تو ہمیں ضرور مطلع کیجیے گا اور ہاں اس امر کی تخصیص بھی ہو جائے تو اچھا ہے کہ ان میں سے "فلم رائٹر" (تُک بند شاعری کے لیے کیا خوب اصطلاح ہے) کون ہے اور شاعر کون؟ کیونکہ بظاہر تو یہ سبھی ایک ہی قبیل کے لوگ محسوس ہوتے ہیں۔

ایگزرسسٹ۔ ایک خوبصورت تجربہ

ولیم پیٹر بلاٹی کے دہشت ناک ناول پر مبنی یہ فلم لاہور میں بہت پسند کی جا رہی ہے۔ کراچی میں یہ فلم لگ بھگ پانچ ماہ تک چلتی رہی تھی اور اب لاہور میں اسے چلتے ہوئے دو ماہ ہو چکے ہیں۔ "ایگزرسسٹ" اپنے زمانے میں بیسٹ سیلر رہا ہے اور اب

بھی اپنے قارئین کا حلقہ وسیع کیے جا رہا ہے (کئی ماہ پہلے اُردو ڈائجسٹ میں اس کی تلخیص شائع ہو چکی ہے)، اس ناول میں ایک ایسی بدروح کی داستان بیان کی گئی ہے، جسے مدتوں بعد آزاد ہونے کا موقع ملا ہے اور وہ ایک دس بارہ سالہ بچی میں حلول کر جاتی ہے۔ بچی کو بدروح سے نجات دلانے کے سلسلے میں عامل پادریوں پر کیا گزرتی ہے؟ یہی 'ایگزارسسٹ' کا اہم ترین حصّہ ہے۔

'ایگزارسسٹ' بلاشبہ ایک خوبصورت تجربہ ہے گو یہ فلم ناول کے مقابلے میں زیادہ مؤثر نہیں ہے، تاہم ہدایت کار نے ممکن حد تک ناول سے انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔

امریکہ اور کینیڈا میں 'سنگیتا کویتا میلہ'

سنگیتا فیملی حال ہی میں امریکہ اور کینیڈا کے دورے سے واپس آئی ہے اور ان لوگوں نے بتایا ہے کہ دونوں ممالک میں انہیں خاصی پذیرائی ملی اور اُن کی فلموں کو بھی پسند کیا گیا۔ مزید 'خوشخبری' یہ سنائی گئی کہ سالِ رواں میں کسی بھی وقت امریکہ اور کینیڈا میں سنگیتا کویتا کی فلموں کے میلے منعقد کیے جائیں گے۔

'میلوں' کی یہ خبر بظاہر بڑی خوش آئند ہے لیکن درحقیقت ایسے میلوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور ان کے حوالے سے قائم کی جانے والی خوش فہمیوں کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ سنگیتا اور کویتا اب تک جتنی بھی فلموں میں کام کر چکی ہیں یا سنگیتا نے خود بنائی ہیں، اُن میں سے سوائے ایک آدھ کے کوئی بھی فلم اس قابل نہیں ہے کہ اُسے دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ ہماری نظر میں سنگیتا نے محض ایک اچھی فلم میں کام کیا ہے اور وہ ریاض شاہد کی 'یہ امن' تھی۔ رہی کویتا تو وہ کسی بھی بڑی فلم میں شامل نہیں ہو سکی۔

صلاحیتوں کے اعتبار سے کویتا اپنی بڑی بہن سنگیتا سے زیادہ بہتر اداکارہ ہے اور اگر اُسے 'پالش' کیا جائے تو اُس کی صلاحیتوں میں نکھار آ سکتا ہے۔ سنگیتا اوسط درجے کی اداکارہ ہے، تاہم وہ 'پاکستانی معیار' کے حوالے سے خاصی کامیاب 'ہدایت کارہ' ہے، لیکن وہ قطعی طور پر 'اورجنل' یا 'کری ایٹو' نہیں ہے۔

سنگیتا کو 'دانشور' طبقے میں اپنی فلم 'مٹھی بھر چاول' کے حوالے سے محض اس لیے پذیرائی حاصل ہوئی کہ یہ فلم بھارت کے عظیم افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کے ناولٹ "اک چادر میلی سی" پر مبنی تھی۔ "مٹھی بھر چاول" ایک انتہائی سطحی معیار کی فلم تھی، مگر 'دانشوروں' نے بھیڑ چال کے باعث اس کے حق میں 'فیصلہ' دیا، حالانکہ 'مٹھی بھر چاول' کے ذریعے بیدی کے ناولٹ کو بُری طرح مسخ کیا گیا تھا اور اُس کی رُوح کی جھلک تک اس فلم میں نہیں ملتی تھی۔

سنگیتا میں یقیناً جدید طرزِ احساس کا شائبہ ملتا ہے، اُسے فلم میکنگ کا جنون بھی ہے، لیکن وہ ایک بڑی اور اورجنل فلم میکر محض اسی صورت میں بن سکتی ہے جب وہ 'مٹھی بھر چاول' ایسی سطحی فلم پر اترانے کے بجائے اپنی بصارت کو نئے زاویوں سے آشنا کرائے گی!

'سات رنگ' - تب اب

'سات رنگ' جو کچھ عرصہ پہلے بہت مقبول اور دلچسپ پروگرام تھا، اب خاصا پھسپھسا ہو گیا ہے۔ اس پروگرام میں معین اختر کا ساتھ پہلے مشکبار فاطمہ دیا کرتی تھیں، اب نیلوفر عباسی شریکِ میزبان کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ پھر حال ہی میں اس پروگرام کے ایک خاکے کے سب پروڈیوسر عارفین سمیت چار پانچ کارکنوں کو معطل بھی کر دیا گیا ہے حالانکہ ____ عارفین "روبی اور آبگینے" جیسی دلچسپ اور معیاری سیریز کے پروڈیوسر ہیں۔ انہوں نے سات رنگ کے متنازعہ خاکے کے بارے میں جو وضاحت پیش کی اُس پر بھی عدمِ اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ ہم ٹی وی کے اربابِ اختیار سے گذارش کرتے ہیں کہ عارفین جیسے ذہین اور سینیئر پروڈیوسر کی وضاحت کو قبول کرتے ہوئے اُن کی خدمات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

"دی منی چینجرز" ____ نئی فلم سیریز

کولمبو کی بندش کے ساتھ ہی پی ٹی وی کی جانب سے نئی سیریز دی منی چینجرز شروع کی گئی ہے جو ایئرپورٹ اور ہوٹل کے شہرت یافتہ ناول نگار آرتھر ہیلے کے اسی نام کے ناول پر مبنی ہے۔ کرک ڈگلس اور کرسٹوفر پلومر اس سیریز کے اہم اداکار ہیں۔ پہلی قسط جو بظاہر بڑی تفصیلی سی ہے، دراصل سیریز کے سینکڑوں کرداروں کا تعارف نامہ ہے۔ آئندہ اقساط کے زیادہ سے زیادہ "تیز رفتار" اور دلچسپ ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔

اُچے برج لہور دے

اشفاق احمد کی یہ سیریز اب خاصی تکلیف دہ ہو گئی ہے، کیونکہ وہ اب خواہ مخواہ "لسی میں پانی" ملائے جا رہے ہیں۔ بہتر ہو گا کہ وہ اسے جلد از جلد وائنڈ اپ دے دیں۔ اشفاق احمد جو ٹی وی کی تاریخ کی سب سے خوبصورت افسانوی سیریز "ایک محبت سو افسانے" کے خالق ہیں، کیا وہ اُچے برج لہور دے کے حوالے سے بدترین سیریز کا اعزاز بھی لینے کے خواہاں ہیں؟

فلمی فنکار ____ اچھی اور بُری خبروں کا تناسب

۱۹۷۸ء کے آخری دنوں میں بابرہ شریف کے ختمِ قرآن کی خبر کے ساتھ ساتھ عشرت چودھری کے ہاں قمار بازی کے سلسلے میں چھاپے کی خبریں شائع ہوئیں اور پھر نئے سال کے آغاز کے حوالے سے بھی ایک اچھی اور ایک بُری خبر اخبارات کی زینت بنی۔ اچھی خبر یہ تھی جس میں بتایا گیا کہ فلمی صنعت کے چند فنکاروں نے (جن میں محمد علی، زیبا اور کمال وغیرہ نمایاں تھے) نئے سال کا آغاز حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر دعائیں مانگتے ہوئے کیا، جبکہ بُری خبر یہ تھی کہ عین اُسی وقت ایک ناکام اداکارہ آصفہ کے ہاں فلمی صنعت کے کئی معزز افراد شراب نوشی اور زناکاری میں مشغول پائے گئے۔ اچھی اور بُری خبروں کا کیسا دلچسپ توازن قائم کیا ہے ان لوگوں نے!

فلمی صنعت کا بنیادی قصور کیا تھا؟

پاکستان فلم کارپوریشن کا قیام

یہ حقیقت اب کسی سے پوشیدہ نہیں کہ پاکستان کی فلمی صنعت تباہی کے کنارے تک پہنچ چکی ہے۔ سٹوڈیوز عام طور پر ویران نظر آتے ہیں۔ فلمساز، فنکار، ہنرمند، سٹوڈیو اونر، تقسیم کار اور سینما اونر غرض فلمی صنعت سے وابستہ لوگ عدم تحفظ محسوس کرنے لگے ہیں اور بیشتر لوگوں نے متبادل انتظامات بھی کر لیے ہیں تاکہ فلمی صنعت کی مکمل تباہی کی صورت میں وہ اپنے لئے نئی راہیں وضع کر سکیں۔ فلمی صنعت اس حال تک کیونکر پہنچی؟ یہ ایک طویل کہانی ہے اور اس میں جہاں فلمی صنعت سے وابستہ لوگوں کا اپنا قصور ہے، وہاں پاکستان کی حکومتیں بھی بے قصور نہیں رہی ہیں۔ فلمی صنعت کا بنیادی قصور یہ رہا ہے کہ فلم کو تعلیم و تفریح کے بجائے ذہنی عیاشی کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہماری فلمیں، جنس، لذت، ہوس اور تشدد کا گھناؤنا پرچار کرتی ہیں۔

دوسری جانب حکومتوں کا قصور یہ رہا ہے کہ انہوں نے فلمی صنعت کو محض ٹیکس کے حصول کا ذریعہ خیال کیا ہے اور اُس کی مناسب سرپرستی اور رہنمائی کو اپنا فریضہ نہیں سمجھا۔ سو اخلاقی اقدار کی تباہی اور بے راہروی کی کھلی چھٹی کے بدلے حکومت کی تجوریاں مسلسل بھری جا رہی ہیں، پھر لطف تو یہ ہے کہ اصلاحِ احوال کی آڑ میں جو ادارے قائم بھی کئے گئے، انہوں نے صورتِ حال کو مزید گھمبیر بنا دیا۔ نیفڈیک اور سٹیٹ فلم اتھارٹی کے قیام کے وقت فلمی صنعت اور دانشوروں کے ساتھ ساتھ عوامی حلقوں نے بھی ان توقعات کا اظہار کیا تھا کہ یہ ادارے فلم ایسے عظیم ذریعۂ ابلاغ کے لئے قومی مفاد کے مطابق نئی اور مثبت راہیں متعین کریں گے، لیکن جلد ہی یہ ادارے بذاتِ خود اُسی رو کا حصہ بن گئے جس کے سامنے سینہ سپر ہونے کا ان اداروں نے عزم ظاہر کیا تھا۔

اس پس منظر میں جب ہمیں علم ہوا کہ نیفڈیک اور سٹیٹ فلم اتھارٹی کو ختم کرتے ہوئے ایک نیا ادارہ پاکستان فلم کارپوریشن کے نام سے قائم کیا جا رہا ہے، تو ہمیں قطعی طور پر مسرت نہیں ہوئی اور نہ ہم اس نئے مجوزہ ادارے سے کسی قسم کی توقعات وابستہ کرنے کے حق میں ہیں، کیونکہ اس نئے ادارے کے مقاصد بھی وہی ہیں جو موجودہ نیفڈیک اور سٹیٹ فلم اتھارٹی کے قیام کے وقت متعین کئے گئے تھے، سو ہماری نظر میں حکومت کا یہ اقدام محض نئی سٹیشنری چھپوانے کے تکلف کے مترادف ہے، البتہ اگر حکومت واقعی فلمی صنعت کے بحران پر قابو پانے، فلمسازی کو قومی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے اور فلمسازوں کی رہنمائی اور سرپرستی کے سلسلے میں مخلص ہے، تو اُسے بیوروکریسی، نیفڈیک اور سٹیٹ فلم اتھارٹی اور محکمۂ اطلاعات کے خوشامدی، جاہل اور بددیانت مشیروں سے نجات حاصل کرنی چاہیئے اور فلمی صنعت کے معقول نمائندوں اور بہی خواہوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے۔ صرف اسی صورت میں یہ مسئلہ پائیدار بنیادوں پر حل کیا جا سکتا ہے اور فلمی صنعت کے لئے صحت مند اور مثبت رویے متعین کیے جا سکتے ہیں۔ ●●

اظہر زماں

انسانی حقوق

ثقافتی اِرتقاء کا نیا اُفق

انسانی حقوق کا عالمی اعلان ایسے وقت اور ایسے حالات میں کیا گیا ہے کہ تمام دنیا کی توجہ اِس طرف مرکوز ہو کر رہ گئی ہے۔

انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ انسانی حقوق کا تصور عالمگیر سطح پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ یہ اثرات عالمی زندگی میں اسی انداز سے زلزلہ برپا کر رہے ہیں جس طرح ۱۹۵۹ء میں چارلس ڈارون کے مقالے بعنوان "فطری انتخاب کے ذریعے نوعِ انسانی کا آغاز یا زندگی کی جدوجہد میں حالات سے مطابقت پیدا کرنے والی نسلوں کا تحفظ" کی اشاعت سے پوری دنیا چونک اٹھی تھی۔

بلاشبہ انسانی حقوق کا تصور نیا نہیں ہے۔ بائیبل میں لکھا ہے: "سورج کے نیچے کوئی نئی چیز نہیں ہے"، ہیملٹ، ہوریشیو سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "تمہارا فلسفہ جو کچھ بنا سکتا ہے، زمین اور آسمان میں اس سے کہیں زیادہ چیزیں موجود ہیں"۔ ان دونوں بیانات کی سچائی بڑی واضح ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں برگسان کے "تخلیقی ارتقاء" کے مرکزی خیال کی سچائی پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ زندہ رہنے کا راز اپنے آپ کو بدلتے ہوئے ماحول کے مطابق ڈھال لینے میں مضمر ہے۔

ایک الگ نوع کی حیثیت سے اپنے آغاز سے ہی انسان کو زندہ رہنے کے لئے مل جل کر کام کرنے کے کسی نہ کسی قسم کے طرزِ عمل پر انحصار کرنا پڑا ہے۔ اس کے وسیع دماغ نے اسے ہتھیار تیار کرنے کی اہلیت بخشی جنہوں نے اس کے کافی حد تک غیر محفوظ جسم کی کمی پوری کی۔ ۱۹۷۷ء میں سینٹ لوئی میں رنگدار لوگوں کی ترقی کی قومی تنظیم کے سالانہ کنونشن میں کلیولینڈ میوزیم آف نیچرل ہسٹری کے کیوریٹر ڈاکٹر ڈانلڈ جوہنسن نے اب تک پائے جانے والے دنیا کے قدیم ترین خاندان کے ڈھانچوں کے بارے میں بتایا جو انہوں نے ڈاکٹر مارس طیب کے ساتھ مل کر ۱۹۷۴ء اور ۷۵ء میں ایتھوپیا میں ہاڈر کے مقام پر دریافت کئے تھے۔ اندازہ ہے یہ ڈھانچے تقریباً پینتیس لاکھ سال پرانے ہیں۔ ڈاکٹر جوہنسن کے مطابق ان آثار کے بارے میں جو تھوڑے بہت ثبوت ملے ہیں، ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی انسان ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے والے افراد کا کوئی گروہ نہیں تھا، بلکہ کسی نہ کسی شکل میں ان کے درمیان اجتماعی طرزِ عمل وجود میں آچکا تھا۔

انسان کی سماجی تنظیم کے بعد کے ترقیاتی مراحل میں بھی کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ یہ مقابلہ جاری رہا ہے کہ کون زیادہ اہم ہے، فرد یا معاشرہ۔ سیاسی ترقی کے عمل کے آگے بڑھنے کے بعد یہ مقابلہ ایک دوسرے کے بالکل متضاد دو نظریات کی صورت میں سامنے آگیا ———— کہ انسان کا وجود ریاست کے لئے ہے یا ریاست کا وجود انسان کے لئے۔

اوّل الذکر نظریے کا اظہار سب سے پہلے افلاطون (۴۲۷۔ ۳۴۸ قبل مسیح) کی تخلیقات میں ہوا اور دوسرا نظریہ اس کے ہونہار شاگرد ارسطو (۳۸۴۔ ۳۲۲ قبل مسیح) نے پیش کیا۔

افلاطون نے آئیڈیل ریاست کا جو خاکہ پیش کیا تھا، اس کے مطابق اس کی حکمرانی سب سے ذہین نوجوانوں کے سپرد ہونی چاہیئے جو ریاست کے "محافظ" بننے کی طویل تربیت کے دوران میں حاکمانہ زندگی بسر کریں اور معمول کے خاندانی رشتوں کے بغیر ہر چیز میں شریک ہوں۔

اس کے برعکس ارسطو کا مؤقف یہ تھا کہ خوشی کا حصول انفرادی مقصد ہے نہ کہ معاشرے کا اور جہاں تک حکومت کا تعلق ہے اس بارے میں انہوں نے اختیارات کی تقسیم کا نظریہ پیش کیا جس پر آج دوسرے جمہوری ملکوں کی طرح امریکی ریاست مبنی ہے۔ افلاطون نے واضح کیا تھا کہ اقتدار یا قوت بدعنوان بنا دیتی ہے۔ ارسطو کے نظریے نے ریاست کو مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں تقسیم کر دیا، تاکہ اختیارات یا قوت کسی ایک جگہ مرکوز ہو کر نہ رہ جائیں۔

آج کی جدید جمہوری حکومتوں کے نظام کی واضح بنیاد کلاسیکی یونانی فلسفے میں رکھ دی گئی تھی، لیکن یونان کی شہری ریاستوں پر سکندرِ اعظم (۳۵۶۔ ۳۲۳ قبل مسیح) کے قبضے کے بعد جمہوری تصورات کوئی دو ہزار سال تک دوبارہ ظاہر نہیں ہوئے۔

خصوصاً یہ بات بہت دلچسپ ہے کہ سترھویں صدی تک بنیادی انسانی حقوق جیسے کسی نظریے پر کوئی توجہ نہیں دی گئی اور ایک ادارے کی حیثیت سے غلامی کی ضرورت کو ایک معمول کی بات سمجھ لیا گیا۔

۱۶۵۶ء میں جیمز ہیرنگٹن نے اپنی ایک اثر انگیز تخلیق "اوشیانا" میں بتایا کہ اختیارات کی تقسیم مشترکہ حکومت کے تصور کی بنیاد پر کی گئی ہے جس میں ملوکیت، اشرافیہ اور جمہوریت کے فوائد یکساں کر دیے گئے ہیں۔

ایک اور انگریز جان لاک نے ۱۶۹۰ء میں ایک مقالہ "سول حکومت کے بارے میں" شائع کیا جس میں انہوں نے مقننہ اور انتظامیہ کے اختیارات کی تقسیم کی اہمیت پر زور دیا اور "زندگی، آزادی اور جائیداد" کو انسان کا فطری حق قرار دیا۔ اس طرح انسانی حقوق کا نظریہ تشکیل پا رہا تھا۔ لاک کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ اس نے امریکی آئین کی راہ ہموار کی اور اس پر اپنا اثر چھوڑا۔ اس نے برطانیہ اور فرانس میں روشن خیالی اور استدلال کے دور کا آغاز کیا۔

بعد میں جو دو مؤثر دستاویزات سامنے آئیں ان میں سے ایک "قانون کی روح کے بارے میں" جو ۱۷۴۸ء میں مونٹسکیو نے تحریر کی، تھی جس میں ایک بار پھر اختیارات کی تقسیم پر زور دیا گیا تھا اور دوسری ۱۷۶۲ء میں روسو کی تحریر کردہ "سماجی معاہدہ" تھی جس میں وسیع موضوعات کا احاطہ کیا گیا تھا، لیکن اس بات کا اعتراف کیا گیا تھا کہ عام اجتماعات میں شاذ و نادر ہی ریاستی انتظام کے روزمرہ مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔

تاہم امریکی نوآبادیوں میں نئے خیالات نے نمو پائی اور تھامس جیفرسن نے ۴ جولائی ۱۷۷۶ء میں امریکہ کا اعلانِ آزادی تیار کیا جس میں کہا گیا کہ "ہم ان حقائق کو روزِ روشن کی طرح عیاں سمجھتے ہیں کہ تمام انسان برابر تخلیق کئے گئے ہیں اور ان کے خالق نے انہیں بعض ناقابلِ انتقال حقوق سے نوازا ہے جن میں زندگی، آزادی اور مسرت کے حصول کی کوشش شامل ہیں۔"

امریکی انقلاب کے بعد ۱۴ جولائی ۱۷۸۹ء میں باسٹل کا سقوط ہوا اور ۲۳ ستمبر ۱۷۹۱ء میں کہیں جاکر فرانسیسی آئین کے دیباچے میں انسان کے اور شہری کے حقوق کو شامل کیا گیا۔ یہ جامع بیان ورجینیا اور نیو ہیمپشائر جیسی امریکی ریاستوں کے آئینوں اور بہت سے روشن خیال مصنفین کے افکار سے جزوی طور پر اخذ کیا گیا تھا جن میں اختیارات کی تقسیم کے حامی مونٹسکو، فطری حقوق کے مبلغ لاک، قوم کے اقتدارِ اعلیٰ

کے علمبردار روسو، انفرادی تحفظات کے لیے سرگرم والٹیر اور نجی جائیداد کی ملکیت کی تائید کرنے والا گروہ جو متوکلین کہلاتے تھے، شامل تھے۔

تاہم افلاطون سے جیفرسن تک سماجی اور سیاسی ارتقا کی طویل مدت میں کبھی غلامی کا سوال براہِ راست نہیں اٹھایا گیا۔ لاک کے معروف صحیفے میں، جس کا پہلے ذکر آچکا ہے، اس کی مذمت کی گئی تھی۔ آئندہ صدی میں غلامی اور غلاموں کی تجارت کی مخالفت اور مذمت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس بات کا سہرا امریکہ کے سر ہے کہ وہ غلامی اور غلاموں کی تجارت کے خلاف تحریک کا سب سے بڑا علمبردار تھا جیسا کہ امریکی اعلانِ آزادی سے واضح ہے۔ ۱۷۹۴ء میں امریکی باشندوں کے بیرونِ ملک غلاموں کی تجارت کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور ۱۸۰۸ء میں غلاموں کی مزید درآمد پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ۱۸۰۷ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک قانون منظور کیا جس کے تحت برطانوی نوآبادی کی کسی بندرگاہ سے کوئی ایسا جہاز نہیں گزر سکتا تھا جس میں غلام سوار کر کے کہیں لے جائے جا رہے ہوں۔ بعد میں ۱۸۰۸ء میں ایک اور قانون کے ذریعے برطانوی علاقے میں غلام اتارنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

سویڈن، ہالینڈ اور فرانس نے بالترتیب ۱۸۱۳ء، ۱۸۱۴ء اور ۱۸۱۸ء میں غلاموں کی تجارت ترک کر دی۔ "نئی دنیا" کو غلام فراہم کرنے والے باقی ملکوں سپین اور پرتگال نے برطانیہ کے دباؤ کے تحت آپس میں سمجھوتے طے کیے جن کے تحت انہوں نے غلاموں کی تجارت کے مکمل خاتمے کے لیے اپنی بحری طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔

نئی دنیا کے ممالک اور نوآبادیوں میں غلامی کو باقاعدہ قانونی عمل کے ذریعے ختم کر دیا گیا سوائے متحدہ ریاست ہائے امریکہ کے جہاں یولیس ایس گرانٹ کے بقول اس عمل کی تکمیل کے لیے جدید دور کی سب سے خون آشام اور مہنگی جنگ لڑی گئی۔ امریکی خانہ جنگی کی بے ہودگی کا بہترین اظہار لنکن نے دوسری مرتبہ صدر منتخب ہونے پر اپنے افتتاحی خطاب میں کیا ہے کہ "یہ بات کتنی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ کچھ لوگ دوسرے لوگوں کے خون پسینے کی کمائی روٹی کو چھیننے کے لئے خدا کی مدد حاصل کرنے کی جرأت کریں، لیکن آئیے ہم کوئی فیصلہ صادر نہ کریں کہ کل کلاں ہمارے بارے میں بھی کوئی فیصلہ صادر نہ ہو"۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ بنیادی انسانی حقوق کے عالمگیر اعتراف اور جزدی تعریف کے لئے کتنا طویل اور کٹھن سفر طے کیا گیا ہے۔

۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے انسانی حقوق کے بارے میں اقوامِ متحدہ کے کمیشن کا تیار کردہ انسانی حقوق کا عالمی اعلان اتفاقِ رائے سے منظور کیا۔ سوویت یونین، سعودی عرب اور جنوبی افریقہ کی یونین نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا۔ اس اعلان کے ذریعے ایک مشترکہ معیار وضع کیا گیا ہے جس کے حصول کے لئے تمام لوگوں اور اقوام کو کام کرنا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ "معاشرے کا ہر فرد اس اعلان کو ہمیشہ ذہن میں رکھتے ہوئے تعلیم کے ذریعے ان حقوق اور آزادیوں کے احترام کو فروغ دینے اور قومی اور بین الاقوامی سطح پر ترقی پسندانہ اقدامات کے ذریعے ان کے عالمگیر اور مؤثر اعتراف اور تعمیل کے لئے جدوجہد کرے"۔

ہم تمام جانتے ہیں کہ عالمی اعلان پر عمل درآمد کرانے کے لئے ہمیں مشکل پیش آسکتی ہے، لیکن خدا جس طرح معجزے دکھلاتا ہے اس کا اسرار صرف وہی جانتا ہے اور کارٹر انتظامیہ کی انسانی حقوق کے لئے وکالت کی تاثیر اسی پر مبنی ہے۔ انسانی حقوق کا عالمی اعلان ایسے وقت اور ایسے حالات میں کیا گیا ہے کہ تمام دنیا کی توجہ اس پر مرکوز ہو گئی ہے۔ اب واپس نہیں جایا جا سکتا۔ انسانی حقوق کے عالمگیر اعتراف سے ثقافتی ارتقا نے ایک نیا افق دریافت کیا ہے۔

●●

تبصرۂ کتب

مشکور حسین یاد

جاپانی نظموں کا شعری ترجمہ

غبارِ شبنم

اِن نظموں کی زبان سادہ، مؤثر اور شیریں ہے

مترجم : عبدالعزیز خالد
مقامِ اشاعت: خالد اکادمی ۲۱۔ بہادر شاہ مارکیٹ کراچی
صفحات : ۵۲۸ قیمت ۴۰/- چالیس روپے
کتابت خاص۔ طباعت، کاغذ عمدہ سرورق دیدہ زیب

اہلِ تنقید کے ساتھ ایک بہت بڑی قباحت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر غریب ایسے ہوتے ہیں جو بذاتِ خود تخلیقی عمل سے کبھی دوچار نہیں ہوئے ہوتے۔ اس ضمن میں وہ عموماً تکے ہی چھوڑتے ہیں، چنانچہ ان میں سے کبھی تو کوئی ٹھیک نشانے پر بیٹھ جاتا ہے ورنہ اکثر حالات میں یہی ہوتا ہے کہ اِدھر اُدھر جا لگتے ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کوئی تیر چلایا جائے گا، تو آخر کہیں نہ کہیں لگے گا بھی۔ نقد و نظر کا یہی وہ مقام ہے جہاں سے تنقید کا دوسرا المیہ شروع ہوتا ہے، یعنی اگرچہ نقاد کا تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا، لیکن ادب کا عام قاری یہ سمجھنے لگتا ہے کہ یہ تیر نشانے پر بیٹھا ہے۔ دوسری طرف نقاد کو قارئین کی طرف سے داد ملتی ہے، تو اپنی جہالت پر اس کا اعتماد مزید پختہ ہوتا ہے۔ غرض تنقید میں کہی گئی باتوں میں سے اکثر بے تکی اور بے ہنگم ہوتی ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں آج تک نقادوں نے ادب میں سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے بجائے گڑبڑ زیادہ پھیلائی ہے۔ کچھ اسی طرح کی بات کسی نقاد نے ترجمہ کے بارے میں یہ کہہ ڈالی ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں شاعری کا ترجمہ کرنا قریب قریب ناممکن ہے۔ "قریب قریب" کے الفاظ بھی غالباً میں نے اپنی طرف سے لگائے ہیں، ورنہ در حقیقت کہا یہی جاتا ہے کہ شاعری کا ترجمہ کرنا ممکن نہیں۔ لیجئے صاحب ترجمہ ممکن نہیں، تو شاعری کے ترجمے لوگ کیوں کرتے ہیں اور اگر کرتے ہیں، تو انہیں پڑھا کیوں جاتا ہے۔

اب اس ضمن میں میری گزارش بھی سن لیجئے۔ میں سمجھتا ہوں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کرنا واقعی ممکن نہیں، لیکن اگر کوئی ترجمہ ہو سکتا ہے، تو وہ شاعری کا ترجمہ ہی ممکن ہے۔ شاعری جذبات کے خوبصورت اور مؤثر اظہار کا نام ہے اور جذبے کے اظہار کو انسان نسبتاً جلدی اور آسانی کے ساتھ سمجھتا ہے۔

میں اپنے مندرجہ بالا بیان کے ثبوت میں زیرِ تبصرہ کتاب "غبارِ شبنم" ہی کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ "غبارِ شبنم" منتخب جاپانی نظموں کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ نظمیں شہنشاہ اوجین (۲۷۰ تا ۳۱۲) سے شروع ہوتی ہیں اور زمانے کے اعتبار سے جوکی چی یاگی (۱۸۹۸ تا ۱۹۲۷) پر ختم ہوتی ہیں۔ اس مجموعہ کی آخری نظم بہار ہے جس کا خالق شیگے جی تسوبوئی ہے، جو ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوا اور غالباً ابھی تک زندہ ہے۔ ہاں تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ "غبارِ شبنم" میں ہمارے اردو کے مشہور شاعر عبدالعزیز خالد نے جاپانی نظموں کا بہت عمدہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ بات میں اصل جاپانی نظموں کو پڑھ کر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ ترجمہ شدہ نظموں کو پڑھ کر کہہ رہا ہوں۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اصل جاپانی نظمیں تو جو ہوں گی، وہ ہوں گی، یہ ترجمہ کی گئی نظمیں بھی ایسی ہیں جن میں شعریت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ ان نظموں کی زبان نہایت سادہ، مؤثر اور شیریں ہے۔ سچی بات یہ

ہے کہ عبدالعزیز خالد صاحب یوں تو "غبارِ شبنم" ہی کے آخری صفحہ پر دی ہوئی فہرست کے مطابق ۳۱ تخلیقات کے خالق ہیں، لیکن میں بذاتِ خود ان کی شاعری کا اس طرح قائل نہ تھا۔ غالباً اس لئے بھی کہ وہ شاعری میں ایسی جناتی زبان استعمال فرماتے ہیں کہ مجھ ایسا کم پڑھا آدمی اوّل تو الفاظ کے معانی ہی نہیں سمجھ پاتا اور اگر لغت کے سہارے کسی لفظ کے معنی گرفت میں لیتا بھی ہے تو اتنی دیر میں پوری نظم کا تسلسل بکھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے، لیکن میں سب سے پہلے عبدالعزیز خالد کی شاعری کا اس وقت قائل ہوا، جب انہوں نے مسعود مفتی کی یاد میں اشعار کہے۔ ان اشعار میں سادگی بھی تھی اور تاثیر بھی۔ اس کے بعد میں خالد صاحب کی شاعری کا قائل اس وقت ہوا ہوں، جب میں نے ان کی یہ کتاب "غبارِ شبنم" پڑھی۔

"غبارِ شبنم" کی سب سے بڑی خوبی تو یہی ہے کہ اس میں جاپانی نظموں کا ترجمہ اتنی سلیس، سطل اور شعر بدوش زبان میں ہوا ہے کہ وہ ترجمہ نہیں تخلیق معلوم ہوتی ہیں، لیکن فضا اور ماحول کے اعتبار سے دیکھا جائے، تو یہ جاپانی نظمیں صرف معلوم ہی نہیں ہوتیں، محسوس بھی ہوتی ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے عبدالعزیز صاحب نے خود جا کر وہاں زندگی گزار کر ان نظموں کو تخلیق کیا ہے۔

"غبارِ شبنم" کی دوسری نمایاں خصوصیت اس کی بھرپور شعریت ہے جو بلا مبالغہ ہر صفحہ پر اس طرح بکھری پڑی ہے جیسے آسمان پر ستارے اور اگر آپ زمین کی کوئی تشبیہہ چاہتے ہیں، تو یوں سمجھ لیجئے جیسے ہر صفحہ پر طرح طرح کے میکدے آباد ہیں۔ جن کے نشے آپ کو خوش بھی کرتے ہیں اور افسردہ و غمگین بھی۔ اب میں اپنے دعوے کی دلیل میں "غبارِ شبنم" کی چند نظمیں پیش کرتا ہوں جنہیں میں کسی انتخاب کے بغیر یہاں نقل کر رہا ہوں۔ بس صفحے الٹتا گیا اور نظمیں لکھ ڈالیں۔ سب سے پہلے اس کتاب کی پہلی نظم ہی ملاحظہ فرمایئے۔

وہ لڑکی جسے میں نے دیکھا
اور اِس طرح چاہا
وہ لڑکی جسے میں نے دیکھا
اور اُس طرح چاہا
ہے دعوت میں حاضر یہاں
اور بیٹھی ہے پہلو میں میرے —— مرے سامنے

آ رہا ہوں آج رات
تم سے ملنے کو تمہارے خواب میں
کوئی دیکھے گا مجھے کوئی نہ ٹوکے گا مجھے
اپنے دروازے کو لیکن (جانِ من) رکھنا کھلا

بج چکا رات کا گجر کب کا
یاد اُس بے وفا کی آتی ہے

یہ اشارہ ہے سب کو سونے کا
جیتے جی اب میں کس طرح سوؤں

میں دھان کوٹتی ہوں
ہاتھ اس سے پک گئے ہیں
اور آج رات میرا
نوخیز شاہزادہ
ان کو پکڑ کے آہیں
افسوس کی بھرے گا

کیا یہ تم تھے جو مرے پاس آئے
یا کہ میں تھی جو گئی تھی تم تک
مجھے معلوم نہیں —— یہ حقیقت تھی کہ خواب

یہ ارغواں بنفشے
سورج کی پتلی کرنیں
جیسے کہ جم گئی ہوں

عزم گر کمزور پڑ جائے تو تم چلچلاتی دھوپ میں مر جاؤ گے

گر کے شاخِ درخت سے اک سانپ
رینگتا ہے زمیں پہ گرمی میں

چاند کے گھٹنے سے ہوگا بڑھ کے کیا
زندگی کی بے ثباتی کا ثبوت

غرض ثبوت کے لئے تمام کتاب حاضر ہے، البتہ اس کی تیسری نظم اگر ترجمہ نہ بھی کی جاتی، تو کوئی مضائقہ نہ تھا، کیونکہ اس نظم کا موضوع ہمارے معاشرے سے کسی طرح لگا نہیں کھاتا —— باقی تمام نظمیں مشرقیت کا پورا رنگ لئے ہوئے ہیں۔ ●●

تبصرۂ کتب

مفتاح الدین ظفر

یہ کتاب زندگی کی نئی راہیں متعین کرتی ہے

محسوساتِ زنداں

نام مصنف .... ظفر جمال بلوچ

سائز کتابت وطباعت .... سائز $\frac{20 \times 30}{16}$، سفید کاغذ، عمدہ کتابت، آفسٹ طباعت
جلد پیپر بیک گلیزڈ سہ رنگا کور صفحات ۱۶۰

ناشر .... احباب پبلیکیشنز $\frac{\text{۳۴ اے}}{\text{بیگم روڈ}}$ مزنگ روڈ لاہور

قیمت ۸ روپے پلاسٹک کور ۲ روپے

ظفر جمال بلوچ ملک کے ایسے مایۂ ناز نوجوان ہیں جن پر قوم اور ملّت کو بجا طور پر فخر ہے۔ وہ نئی نسل کے ایک معمار کی حیثیت سے ملک میں ابھرے اور اپنی جدوجہد میں گذشتہ حکومت کے دور میں کئی دفعہ قید و بند کی اذیت ناک آزمائشوں سے گزرے اور ہر مرتبہ کندن ہو کر جیل کی مذموم فضا سے باہر نکلے، تو ایک نئے ولولے اور جوش کے ساتھ منظرِ عام پر آئے۔ طالب علمی کے زمانے میں ہی آزمائشوں کی یلغار نے انہیں ایک ناتجربہ کار اور ناپختہ فہم و ادراک والے نوعمر انسان سے پختہ، تجربہ کار، فہمیدہ اور سنجیدہ "نوجوان لیڈر" کی حیثیت میں تبدیل کر دیا جس پر جتنا بھی فخر و انبساط کا اظہار کیا جائے کم ہے۔

"محسوساتِ زنداں" میں مصنف نے اپنی جیل یاترا کے تجربے بیان کئے ہیں۔ ان کو بار بار جیل کی ہوا اس لئے کھانی پڑی کہ بقول خود ان کے "انہیں سر جھکانے کا سلیقہ آجائے"، مگر اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ ہر دفعہ جیل کی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد جب وہ آزاد فضا میں آئے، تو ان کی "بلندیٔ سر میں اضافہ ہی ہوا"۔ جیل میں ان کی مصروفیات کے ذکر میں وہ تذکرہ قاری کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا جس میں انہوں نے اپنی زندگی کے مشن کے تسلسل کو قائم رکھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح فرصت کے اوقات میں اپنے ساتھی قیدیوں کے ساتھ نہ صرف ہمدردانہ اور برادرانہ سلوک روا رکھا، بلکہ انہیں پند و نصائح سے معاشرے کے لئے مفید رکن بننے کی طرف بھی مائل کیا اور اس طرح بہت سے جرائم پیشہ قیدیوں کو اسلام کی قدر و منزلت سے آگاہ کیا اور انہیں صحیح معنوں میں "مسلمان" بننے کی دعوت دی جس میں وہ بحمد للہ کامیاب رہے۔

کتاب دلچسپ اور طرزِ بیان دلکش ہے۔ کتابت اور طباعت بھی پسندیدہ ہیں۔ یہ کتاب ہر اس شخص کو پڑھنی چاہیئے جس کے سینے میں درد ہو اور جو اس بات کا متمنی ہو کہ ہمارے نوجوان اپنی زندگی کی ایسی راہ متعین کریں جیسی کہ ظفر جمال بلوچ نے اپنے لئے منتخب کی تاکہ ان کے نام رہتی دنیا تک قائم رہیں اور ان کے اعمال اور افعال سے ملک اور ملّت کو تازگی اور تابندگی نصیب ہوتی رہے۔ ●●

جاوید اقبال کے منتخب کارٹونوں
کا تازہ مجموعہ
ففٹی ففٹی
نوائے وقت پبلیکیشنز ۴ شارع فاطمہ
جناح روڈ لاہور

بابر سعید ملک

متحدہ عرب امارات

امیگریشن کے نئے ضابطے نافذ کر دیئے گئے

اکتوبر ۱۹۷۷ء کے قوانین نافذ ہونے کے بعد عام خیال یہ تھا کہ متحدہ عرب امارات میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے والوں کی حوصلہ شکنی ہوگی، لیکن یہ خیال خام رہا اور لوگوں نے دوسرے غیر قانونی ذرائع اختیار کرنا شروع کر دیے جن میں کسی دوسرے شخص کے پاسپورٹ کا استعمال بھی شامل ہے، چنانچہ حکومت امارات کے لیے ناگزیر ہو گیا کہ وہ اپنے قوانین کو مزید سخت کر دے۔

وزیر داخلہ مبارک بن محمد نے ایسے ہی لوگوں کی سرکوبی کیلئے نئے قوانین کا اعلان اکتوبر کے تیسرے ہفتے کیا۔ وزارتِ داخلہ کے ایک نوٹیفکیشن میں کہا گیا ہے کہ ایسے تمام اشخاص جن کے پاسپورٹ یا سفری کاغذات پر ذرا سا بھی شبہ ہوگا انہیں امارات میں داخلے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ نوٹیفکیشن میں مندرجہ ذیل باتوں کی تشریح کی گئی ہے جن کی بنا پر ایک مسافر کے داخلہ کو روکا جا سکتا ہے۔

۱۔ ۱۔ پاسپورٹ پر لگی مسافر کی تصویر اکھاڑنے کی کوشش کی گئی ہو۔

۲۔ پاسپورٹ پر لگی تصویر کو تبدیل کر دیا گیا ہو۔

۳۔ پاسپورٹ پر موجود دستخط یا انگوٹھے کے نشان کو بدلنے کی کوشش کی گئی ہو۔

۴۔ پاسپورٹ کا مقام اجراء تاریخ میں تبدیلی یا کسی اور طرح کانٹ چھانٹ کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

۵۔ ویزا اجاری ہونے والی تاریخ میں تبدیلی کی کوشش کی گئی ہو۔

۶۔ پاسپورٹ کے صفحات کو پھاڑنے کی کوشش کی گئی ہو۔

۷۔ پاسپورٹ پر چھپے نمبر تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

۸۔ پاسپورٹ میں مہر شدہ ویزے میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

۲۔ مندرجہ ذیل باتوں کی بنا جس مسافر کو ملک سے نکال دیا جائیگا یا داخل ہونے سے روکا جائے گا، اُسے اپنے ہی اخراجات پر وطن روانہ ہونا پڑے گا اور اگر وہ اس قابل نہ ہوا تو وزارتِ داخلہ ہونے والے اخراجات کو برداشت کرے گی۔

۳۔ امیگریشن حکام کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ متحدہ عرب امارات کے ویزے میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے والے کو حوالات میں بند کر دیں۔ یہ سزا زیادہ سے زیادہ چودہ دن کی ہوگی۔

۴۔ چوتھی شق میں وضاحت کی گئی ہے کہ حراست میں لیے گئے فرد کو باقاعدہ گارڈ کی نگرانی میں رکھا جائے گا۔

۵۔ پانچویں شق میں امیگریشن حکام کو ہدایت کی گئی ہے کہ حراست میں لیے گئے فرد کے بارے میں مکمل تحقیقات اُس کی گرفتاری کے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر مکمل کی جائے اور اُس کی کاپی امیگریشن کے ڈائریکٹر جنرل کو روانہ کی جائے۔ جو رپورٹ کے بارے میں فیصلہ کریں گے اور اس کی اطلاع فیڈرل سیکورٹی فورس یا مقامی پولیس کو —— دیں گے۔

۶۔ چھٹی شق میں امیگریشن حکام کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اِن قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں کسی قسم کی بھی ڈھیل نہ دیں اور تنبیہہ کی گئی ہے کہ کسی قسم کی غفلت اُنہی کے خلاف ایکشن کا سبب بن سکتی ہے۔ اسی شق میں مزید کہا گیا ہے کہ اگر اُن کے رویّہ کے باعث کسی بھی صحیح مسافر کو تکلیف پہنچی تو اُس افسر کو ہر قسم کی ادائیگی کرنا ہوگی۔

۷۔ ساتویں اور آخری شق میں فیڈرل پولیس اور حفاظتی عملے کو اِن احکامات پر سختی سے عمل درآمد کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔

مندرجہ بالا قوانین کی روشنی میں متحدہ عرب امارات میں داخلے کے خواہش مند افراد سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اِن باتوں کا خیال رکھیں، جب کہ عرب امارات میں مقیم اپنے پاکستانی بھائیوں سے بھی یہی درخواست ہے کہ وہ اِن قوانین کی پوری پوری پابندی کریں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ کسی خاص مقصد کے تحت اپنا پاسپورٹ پانی میں بھگو دیتے ہیں، تاکہ انہیں نیا پاسپورٹ مل جائے، لیکن اُن کو خبردار ہو جانا چاہیے کہ اب حکومت اِس سلسلے میں بھی سختی کر رہی ہے اور پولیس ایسے افراد کو ملک سے باہر نکال رہی ہے۔ پاکستانی بھائیوں سے مزید درخواست ہے کہ وہ اپنے طور پر پاسپورٹ میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی کوشش نہ کریں اور یہ کام سفارت خانۂ پاکستان کو ہی کرنے دیں۔ ●●

بلوچستان

مسلم قریشی

اسلام اور پاکستان کی خدمت کروں گا

جوگے زئی قبیلے کے نئے سربراہ کا عزم

نوابزادہ تیمور شاہ جوگے زئی کو ان کے مرحوم والد نواب محمد خان جوگے زئی کی جگہ کاکڑ قبیلے کا روایتی سربراہ مقرر کیا گیا ہے۔ ۲۲ دسمبر کو مرحوم نواب محمد خان کا جہلم تھا۔ اس سلسلے میں ۲۲ دسمبر کو کوئٹہ سے ۱۲۵ میل اور قلعہ سیف اللہ سے دس میل دور قلعہ سیف اللہ ژوب روڈ پر جوگیزئی قبیلے کے مستقر "قلعہ تاروان" میں تقریب منعقد ہوئی۔ بلوچستان کے ہزاروں پٹھان اور بلوچ قبائلیوں کے علاوہ متعدد سیاسی وسماجی رہنماؤں، کارکنوں اور عوام نے اس سادہ مگر پُر وقار تقریب میں شرکت کی۔ نواب محمد خان مرحوم کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے قرآن خوانی ہوئی، ان کے لئے مغفرت کی دعا کی گئی اور اس کے بعد نئے نواب کی دستار بندی کی رسم ادا کی گئی۔

علاقے کی ایک معروف دینی شخصیت محمد طاہر شاہ نے نواب محمد احمد خان جوگے زئی مرحوم کی پگڑی، ان کے بیٹے اور جانشین تیمور شاہ جوگے زئی کے سر پر رکھی، انہیں چغہ پہنایا اور تلوار پیش کی۔ کہا جاتا ہے یہ تلوار اور چغہ جوگے زئی قبیلے کو احمد شاہ بابا (احمد شاہ ابدالیؒ) نے بطور تحفہ عنایت کیا تھا۔ اس تقریب میں علماء اور قبائلی معززین نے مختصر تقریریں بھی کیں۔ انہوں نے مرحوم نواب کی سیاسی، دینی اور قبائلی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا اور دعا کی کہ ان کا بیٹا ان کا صحیح جانشین ثابت ہو اور اللہ تعالٰی اسے اپنے نامور باپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ مولوی غلام نبی مہتر زئی نے مرحوم نواب کو پشتو میں منظوم ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔ علماء نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے تیمور شاہ جوگے زئی کو نبیؐ کا فرمان "سید القوم خادمہم" یاد دلایا اور کہا کہ سربراہ کا فرض قبیلے کی صحیح رہنمائی اور خدمت ہے اور قبیلے کے افراد کا فرض ہے کہ وہ جائز کاموں میں سربراہ سے تعاون کریں اور "تعاونوا علی البر" کے اصول پر گامزن رہیں۔ اس موقع پر نواب تیمور شاہ جوگے زئی نے مرحوم نواب کے جہلم اور نئے نواب کی دستار بندی کی تقریب میں شرکت کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا اور اس یقین کا اظہار کیا کہ وہ پشتون قبائل کے تعاون سے اپنے مرحوم والد اور پشتونوں کی اعلیٰ روایات کو زندہ رکھیں گے۔ نواب کے بھائی جہانگیر شاہ جوگے زئی اور ایک قریبی رشتے دار سردار محمد عثمان جوگیزئی نے امید ظاہر کی کہ جناب تیمور شاہ نئی ذمے داری سنبھالنے کے بعد پشتون روایات کی پیروی کرتے ہوئے اور مرحوم والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام، ملک و قوم اور بلوچستان کی خدمت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کریں گے۔ پشتونوں کے اتحاد، یکجہتی اور اخوت کی علامت بن کر ابھریں گے اور پاکستان کی سلامتی، بقاء اور استحکام کے لئے پشتونوں کی قربانیوں کی تاریخی روایات کو زندہ و تابندہ رکھیں گے۔

یہ تقریب اپنی سادگی کے ساتھ ساتھ پٹھانوں کی دینداری اور اسلام دوستی کا مظہر تھی۔ نشست و برخاست، گفتگو اور تقاریر کے لب و لہجے میں گہرا اسلامی رنگ جھلک رہا تھا اور پوری محفل پر گہری اسلامی چھاپ واضح تھی۔ یہی پٹھان معاشرے کی خصوصیت ہے اور اسے ہی عرف عام میں "پشتون ولی" کہا جاتا ہے جسے قائم رکھنے کے لئے ہر پٹھان کٹ مرنے پر تیار رہتا ہے۔ ●●

یہ مسئلہ

میڈیکل کالجوں میں داخلے کا مسئلہ

حکومتِ پنجاب نے صوبے کے میڈیکل کالجوں میں سالِ اوّل کیلئے درخواستیں وصول کرنے کی تاریخ میں غیر معینہ مدّت کے لئے توسیع کر دی ہے، اس سے پیشتر دو مرتبہ توسیع کی جا چکی ہے، جس کے نتیجے میں سپلیمنٹری امتحان میں کامیاب ہونے والے امیدواروں کو اسی سال داخلے کا حق دار قرار دے دیا گیا ہے، جب کہ ایف ایس سی کا نتیجہ گزشتہ سال اگست میں آ چکا ہے اور اسی بنیاد پر کامرس اور انجینئرنگ کے داخلے مکمل ہو چکے ہیں۔ اس طرح میڈیکل کالجوں میں داخلے کے امیدواروں کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔

اس غیر معینہ تاخیر کا نتیجہ لازماً یہ نکلے گا کہ اس بار پنجاب کے میڈیکل کالجوں میں داخلے کے امیدواروں کی بھیڑ ہو جائے گی اور بہت بڑی تعداد میں امیدواروں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا، میڈیکل تعلیم کے لئے میرٹ کا معیار دوسرے صوبوں سے کہیں زیادہ ہے، اوپر سے سپلیمنٹری امتحان پاس کرنے والے بھی اپنی درخواستیں دیں گے جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں وہ امیدوار میڈیکل کالجوں میں داخلے سے محروم رہ جائیں گے، جنہوں نے گذشتہ برس ایف ایس سی کے سالانہ امتحانات میں کامیابی حاصل کی تھی، یہ انتہائی ستم ہے کہ ضمنی امتحان کے کامیاب طلبا کو بھی میرٹ لسٹ میں شامل کیا جا رہا ہے جو کہ خلافِ ضابطہ ہے اور نہ کبھی ماضی میں ایسا ہوا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پنجاب میں اس کی آبادی کے پیشِ نظر میڈیکل کالجوں کی تعداد بڑھائی جائے اور موجودہ میڈیکل کالجوں میں نشستوں کی تعداد میں اضافہ بھی کیا جائے تاکہ فرسٹ ڈویژن میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والوں کو یقینی طور پر داخلہ مل سکے، اس کے علاوہ میں حکومت اور بالخصوص گورنر پنجاب سے اپیل کرتا ہوں کہ صرف گذشتہ برس پاس ہونے والے طلبا کو ۱۵ اکتوبر تک بننے والی میرٹ کی بنیاد پر داخلہ ملنا چاہیئے۔ (مدثر لطیف راں، لاہور)

ڈھوک ساہیاں کے مسائل

"زندگی" کے ذریعے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنے علاقے ڈھوک ساہیاں کے مسائل عرض کرتا ہوں۔

پسماندگی ہے ازل سے مقدر ہمارا
اربابِ اقتدار سے کرتے نہیں گلہ
نہ سکول نہ بجلی نہ سڑک و ہسپتال
ملا ہے جماعت کی حمایت کا صلہ
۔لوٹتے بھی ڈرتے ہیں کوئی کہہ نہ اُٹھے
"خود نمائی نہیں شیوۂ اربابِ وفا

(میاں ریاض احمد آمر ڈھوک مالو وال ضلع گجرات)

صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے

میں ڈپٹی مارشل لا۔ایڈمنسٹریٹر پنجاب جناب خان ربانی خان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مجھے اپنی ناجائز برخاستگی کے خلاف ذاتی طور معروضات پیش کرنے کا موقع دیں، تاکہ میں صحیح طریقے سے اپنا کیس پیش کر سکوں۔

مَیں یہ التجا اس لیے کر رہا ہوں کہ میری تحریری شکایت پر جناب ڈپٹی مارشل لا۔ایڈمنسٹریٹر صاحب نے میرے سابقہ محکمہ پنجاب انڈسٹریل ڈویلپمنٹ سے ۱۵ جنوری ۱۹۷۹ء تک رپورٹ طلب کر لی ہے اور چونکہ محکمہ نے مجھے ناجائز طور پر برخاست کیا ہوا ہے، اس لیے ڈر ہے کہ وہ اپنے ہی ڈھب سے رپورٹ پیش کریں گے جو یقیناً غلط ہو گی۔

اگر مجھے بھی پیش ہو کر اپنا موقف بیان کرنے کی اجازت مل جائے، تو مجھے یقین ہے کہ نہ صرف مَیں ملازمت پر بحال ہو جاؤں گا، بلکہ موجودہ حکومت کو بدنام کرنے والے افسران کو یقیناً سزا بھی مل جائیگی۔

میری مختصراً ملازمت سے برخاستگی کی داستان یہ ہے کہ محکمہ پنجاب انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بورڈ والوں نے مجھے ۱۵-۸-۷۸ کو میرے کام سے خوش ہو کر کنفرم کیا اور صرف ۲ ماہ گزرنے کے بعد بغیر وجہ بتائے یا چارج شیٹ دیے یعنی ۳۰-۱۰-۷۸ کو فوری طور پر ملازمت سے برخاست کر دیا۔ میری اِس وقت عمر ۴۹ سال ہے اور ادھیڑ ہونے کی وجہ سے میرا کوئی باعزت ذریعۂ معاش نہیں رہا۔ میری تین جوان بچیاں، دو کم سن بچے اور بوڑھے والدین کا بوجھ میرے کندھوں پر ہے اور مَیں پریشانی کی زندگی گزار رہا ہوں۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ مجھے فوری طور پر معاشی بدحالی سے نجات دلائی جائے۔

(غلام نصیر بھٹی، سول لائن گوجرانوالہ)

سی ایس ایس کامیاب امیدواروں کی تقرری

مَیں "زندگی" کے توسط سے ان نوجوانوں کا مسئلہ متعلقہ اربابِ اقتدار کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جو مقابلے کے امتحان (سی ایس ایس) کے ذریعے اعلیٰ ملازمتوں کے حصول کے خواہش مند ہوتے ہیں اور محنت اور لگن سے کام لے کر امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں، لیکن انہیں صرف اس لیے ملازمتیں فراہم نہیں کی جاتیں کہ بقول صاحبانِ اقتدار ملازمتوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ مثلاً ۱۹۷۷ء میں منعقدہ سی ایس ایس کے امتحان میں چودہ سو امیدوار شریک ہوئے جن میں سے صرف ۲۱۴ کامیاب قرار دیے گئے اور انتہائی محنت اور قابلیت کے بعد پاس ہونے والے ان طلبہ میں سے بھی نصف کو ملازمتوں سے جواب مل رہا ہے، کیونکہ خالی آسامیاں صرف ۱۱۲ ہیں۔ اس طرح نصف افراد امتحان پاس کرنے کے باوجود عملاً ناکام ہی ٹھہریں گے۔

خالی آسامیوں میں اضافے کے لیے میری تجویز یہ ہے کہ:۔

- ریٹائرمنٹ کی عمر ۵۵ سال کر دی جائے۔ اس سے کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو گی، کیونکہ ریٹائر ہونے والے کو کم از کم، پنشن اور دوسری مراعات ملیں گی، پھر اس کی گھریلو ذمہ داریاں بھی کافی کم ہو چکی ہوتی ہیں، کیونکہ اکثر بچے نوجوان ہو کر برسرِ روزگار ہو چکے ہوتے ہیں۔
- مدتِ ملازمت میں توسیع کی پالیسی مکمل طور پر ختم کر دی جائے۔
- ویٹنگ لسٹ تیار کی جائے اور جب تک تمام کامیاب امیدوار کھپ نہ جائیں، نیا امتحان منعقد نہ کیا جائے۔
- کامیاب امیدواروں کو دوسری ملازمتوں، جن کے لیے ایسے امتحانات کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، پر بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔
- سرکاری ملازمتوں پر تقرری کے سلسلے میں مروجہ ضوابط کی سختی سے پابندی ہونی چاہیئے اور "لیٹرل انٹری" جیسی سکیمیں کسی طور بھی زیرِ عمل نہیں آنی چاہیئیں۔

(ایک کامیاب امیدوار)

کرشن نگر لاہور کا قبرستان

کرشن نگر لاہور کا قبرستان بہت پرانا اور وسیع قبرستان ہے جو شہر کے بڑے علاقہ کی ضروریات کو پورا کرتا ہے لیکن یہ امر انتہائی قابلِ افسوس ہے کہ اس کے انتظامی معاملات حکومت کی نظروں سے تاحال پوشیدہ ہیں۔ کچھ غیر ذمہ دار لوگوں نے جو اس قبرستان کی برائے نام دیکھ بھال کرتے ہیں، یہاں بدنظمی کا طوفان بپا کیا ہوا ہے۔ گورکن جہاں چاہیں قبریں کھود ڈالتے ہیں اور منہ مانگی اُجرت لیتے ہیں۔ قبرستان میں جو مشرقی جانب ایک بغلی صدر دروازہ ہمیشہ سے موجود تھا، وہ آس پاس کے مکینوں نے ناجائز طور پر بند کر دیا ہے، جس سے فاتحہ پڑھنے والوں اور دیگر ضرورت مند حضرات کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے جو مسجد ہے وہ الگ بدحالی کا شکار ہے۔ محکمہ اوقاف کے متعلقہ افسران کو اس تمام صورتِ حال کا فوری نوٹس لینا چاہیے اور اس قبرستان کو جلد از جلد سرکاری تحویل میں لے کر فرض شناسی کا ثبوت دینا چاہیے۔

(میاں محی الدین احمد، ایڈووکیٹ)

محکمہ زراعت کا دفتر تبدیل نہ کیا جائے

اس اطلاع سے ضلع میانوالی کے کاشت کاروں میں شدید پریشانی اور اضطراب پیدا ہو گیا ہے کہ سرگودھا سے ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ زراعت کا دفتر فیصل آباد منتقل کیا جا رہا ہے۔ سرگودھا، اضلاع میانوالی، جھنگ اور فیصل آباد کے مرکز میں واقع ہے، اس لیے تینوں اضلاع برابر اس دفتر سے استفادہ کر سکتے ہیں، مگر دفتر ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت کی سرگودھا سے فیصل آباد منتقلی سے میانوالی اور جھنگ اضلاع کے کاشت کاروں کی تکالیف و مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا۔ گورنر پنجاب اور صوبائی سیکرٹری زراعت پنجاب سے استدعا ہے کہ سرگودھا ڈویژن کے عوام کے مفادات کے عین مطابق ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت کا دفتر سرگودھا میں قائم رکھا جائے۔

(محمد نصر اللہ خان نیازی سیکرٹری اطلاعات انجمن کاشت کاران ضلع میانوالی)

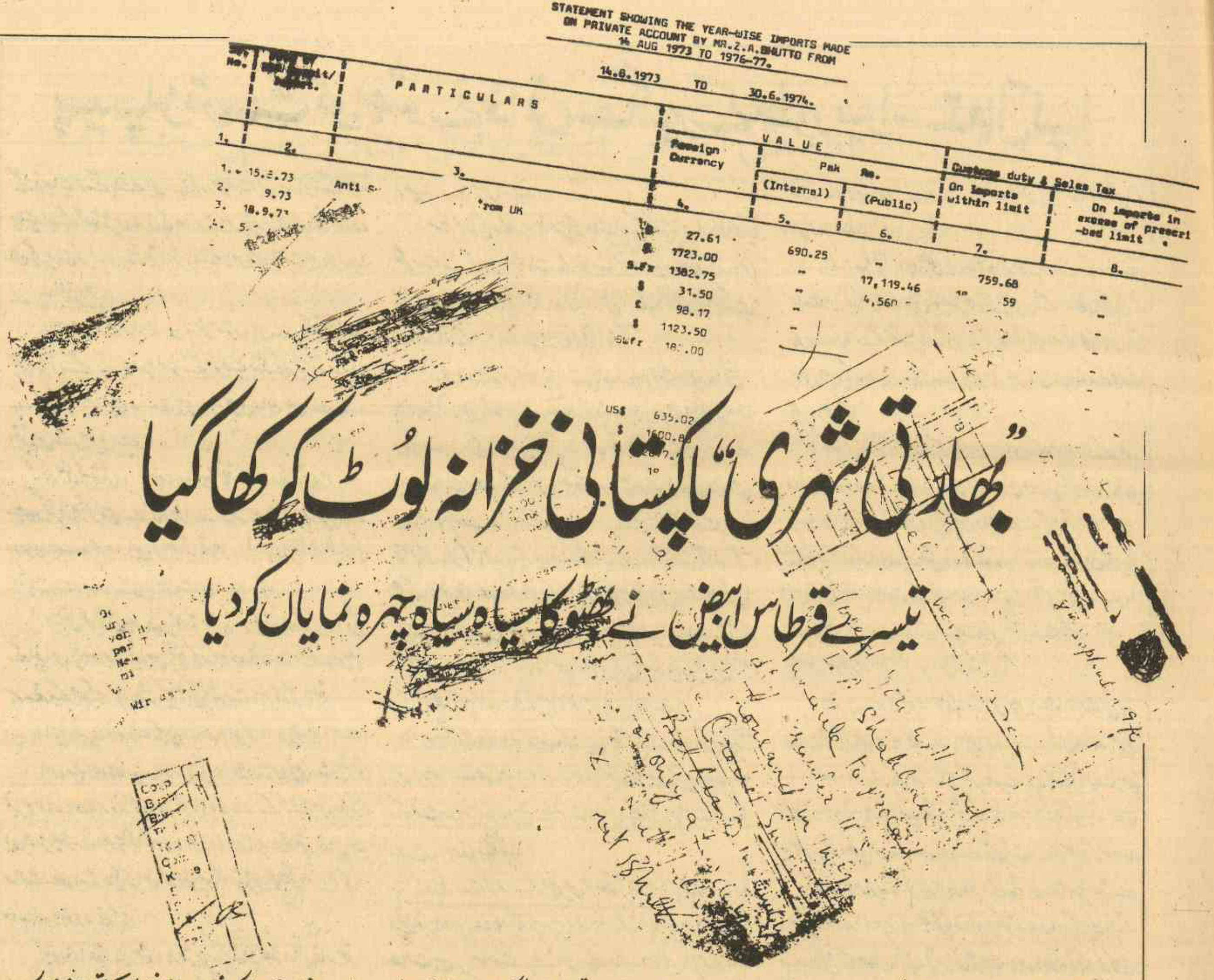

بھارتی شہری "پاکستانی خزانہ لوٹ کر کھا گیا

تیسرے قرطاس ابیض نے بھٹو کا سیاہ چہرہ نمایاں کر دیا

۱۹۵۸ء تک یعنی عین اس وقت تک جب مسٹر بھٹو نے میجر جنرل اسکندر مرزا کے نافذ کردہ مارشل لاء کے تحت قائم ہونے والی پہلی حکومت میں وزیر کی حیثیت سے حلف نہیں اٹھا لیا، خود ان کے اپنے دعوے کے مطابق وہ ہندوستانی شہری تھے جو عارضی طور پر کراچی میں مقیم تھے۔ اس دعوے کی بنیاد پر انہوں نے بمبئی میں واقع اپنی جائیداد کی بحالی کے لیے ہندوستان کی عدالتوں میں دعوے دائر کر رکھے تھے جو ہندوستان کی حکومت نے اس بنیاد پر ضبط کر لی تھی کہ اس کا مالک ہجرت کر کے پاکستان جا چکا ہے؛ لہٰذا اب وہ ہندوستان کا شہری نہیں رہا۔

اگست ۱۹۵۸ء میں یعنی حکومتِ پاکستان میں وفاقی وزیر کی حیثیت سے شمولیت کے صرف چند ہفتے قبل مسٹر بھٹو نے ہندوستان کی سپریم کورٹ میں درخواست دی کہ جائیداد کی بحالی کے سلسلے میں ان کی آخری درخواست واپس کر دی جائے جو سپریم کورٹ باقاعدہ سماعت کے لیے منظور کر چکی تھی، چنانچہ مسٹر بھٹو کے حکومتِ پاکستان میں وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھانے کے بھی تین ہفتے بعد، یعنی ۳ نومبر ۱۹۵۸ء کو ہندوستان کی سپریم کورٹ نے مذکورہ درخواست واپس لینے کی منظوری دے دی۔

مسٹر بھٹو کی قومیت کا سوال آج سے دس برس قبل پاکستان کی قومی اسمبلی میں اٹھایا گیا تھا۔ وہ بھی ہندوستان کی پارلیمنٹ کے حوالے سے جہاں اس سے قبل مسٹر بھٹو کی ہندوستانی قومیت کا مسئلہ موضوعِ بحث بن چکا تھا۔

۳۰ جون ۱۹۶۷ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی کے ایک رکن مسٹر حبیب الرحمٰن بھنڈاری کے ایک سوال کے جواب میں وزارتِ خارجہ کے پارلیمانی سیکرٹری مسٹر الہٰ اول بھوبیا نے راجیہ سبھا (ہندوستان کی پارلیمنٹ کے ایوان بالا) کی کارروائی کی سرکاری رپورٹ پاکستان کی قومی اسمبلی کے سامنے پیش کی۔ اس رپورٹ کے مطابق شری اے، ڈی، مانی کے ایک سوال کے جواب میں ہندوستان کے وزیرِ بحالیات شری مہاویر تیاگی نے ۱۹ نومبر ۱۹۶۵ء کو اس موضوع پر مندرجہ ذیل بیان دیا تھا۔

"تقسیم سے قبل پاکستان کے وزیرِ خارجہ شری زیڈ اے بھٹو مع اپنے والدین کے بمبئی میں مقیم تھے جہاں ان کی جائیداد بھی تھی۔ ڈپٹی کسٹوڈین نے ۶ جولائی ۱۹۴۹ء کو ان کی جائیداد کو متروکہ قرار دے کر اس پر قبضہ کر لیا۔ شری بھٹو نے پہلے کسٹوڈین جنرل بعد ازاں بمبئی اور پنجاب کی عدالت ہائے عالیہ اور بالآخر ہندوستان کی سپریم کورٹ میں اس فیصلے کے خلاف درخواستیں دیں اور ۹ برس تک ان مقدمات کی مسلسل پیروی کرتے رہے، لیکن ایک طرف تو وہ اس بنا پر جائیداد کی بحالی کے لیے مقدمے دائر کر رہے تھے کہ ان کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسری طرف انہوں نے پاکستان میں یہ درخواست دی کہ انہیں عدالتی فیصلے کے تحت محفوظ کردہ وہ رقم واپس کرائی جائے جو اس وقت بمبئی کی عدالت کی تحویل میں ہے؛ تاہم نومبر ۱۹۵۸ء میں یعنی اس سال جس سال پاکستان میں شری بھٹو نے وزیر کی حیثیت سے حلف رازداری اٹھایا، انہوں نے درخواست دی کہ چونکہ اب وہ پاکستان میں مستقلاً سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ اس لیے ان کی سابقہ درخواستیں داخل دفتر کر دی جائیں؛ چنانچہ ہندوستان کی سپریم کورٹ نے ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے سابقہ درخواستیں داخل دفتر کر دیں۔"

ہندوستان کے مذکورہ وزیر نے ایوان بالا میں مسٹر بھٹو کے ان بیانات اور اپیلوں سے اقتباسات بھی پیش کیے جو انہوں نے مذکورہ مقدمات کی سماعت کے دوران دیے تھے۔

اس جائیداد کی مالیت کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جس کے عوض مسٹر بھٹو اپنی پاکستانی شہریت کا سودا کرنے کو تیار تھے۔ مسٹر تیاگی نے کہا: "ان کی وہاں بہت سی جائیداد تھی اور کچھ روپیہ بھی جمع تھا۔ ان کا ایک مکان تھا جس کا نام "میرا گھونسلا" تھا۔ جس کی قیمت مبلغ ایک لاکھ چالیس ہزار روپے تھی جو نقدی کی صورت میں جمع تھی"۔

جب شری تیاگی سے پوچھا گیا کہ کیا یہ درست ہے کہ ۱۹۵۷ء میں جب مسٹر بھٹو پاکستان کے وفد کے رکن کی حیثیت سے اقوام متحدہ

پیپلز ٹرسٹ کو بھٹو نے ذاتی جاگیر کے طور پر استعمال کیا

گئے، تو جائیداد کے بارے میں ان کی درخواست ہندوستان کے متروکہ جائیداد کے کسٹوڈین جنرل کی عدالت میں زیرِ سماعت تھی اور وہ ان کی پیروی کر رہے تھے، تو انہوں نے اس کا اثبات میں جواب دیا۔

عدالتی دعویٰ

راجیہ سبھا کے سامنے ان درخواستوں میں سے اقتباسات بھی پیش کیے گئے جو مسٹر بھٹو نے حکومتِ ہند کے متروکہ جائیداد کے کسٹوڈین جنرل کی عدالت میں دی تھیں۔ ان میں سے ایک اقتباس درج ذیل ہے :

" فاضل کسٹوڈین (بمبئی) نے یہ حقیقت جو ریکارڈ پر موجود ہے۔ نظرانداز کر دی ہے کہ درخواست گزار اپنے قیامِ امریکہ کے دوران جب ۱۹۴۹ء میں کراچی گیا، تو اس نے ہندوستانی شہری کی حیثیت سے ہندوستانی پاسپورٹ پر سفر کیا تھا۔

" فاضل کسٹوڈین نے ریکارڈ پر کسی قسم کی شہادت کی موجودگی کے بغیر اس فیصلے پر پہنچنے میں غلطی کی ہے کہ درخواست گزار نے بالغ ہونے کے بعد کسی بھی وقت کراچی کی شہریت اختیار کر لی تھی۔"

(اپیل نمبر ۲۴۵ اے بمبئی / ۵۶ داخل کردہ ۳۰ جنوری ۱۹۵۶ء)

اس کے بعد پنجاب اور دہلی کی عدالتوں میں اپنی رٹ پیٹیشن نمبر ۱۴۴ - ۱۹۵۶ء، دائر کردہ ۱۱ اپریل ۱۹۵۶ء کے سلسلے میں بیان حلفی میں مسٹر بھٹو نے دعویٰ کیا کہ وہ بدستور ہندوستان کے شہری ہیں اور عدالت سے استدعا کی کہ اس سلسلے میں کسٹوڈین کا حکم منسوخ کیا جائے۔ انہوں نے کہا :

"میں ذوالفقار علی بھٹو ولد سر شاہنواز بھٹو حالیہ عارضی سکنہ بندر روڈ کراچی حلفیہ طور پر عرض کرتا ہوں کہ :

اُ۔ درخواست گزار ہندوستان کا شہری ہے۔

۷۔" ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک درخواست گزار نے پاکستان میں کسی بھی جگہ مستقل سکونت اختیار نہیں کی۔

۸۔ درخواست گزار نے کبھی بھی ہندوستان یا ریاست بمبئی (اس وقت صوبۂ بمبئی کہلاتا تھا) سے کبھی بھی فسادات کے باعث، فسادات کے خوف سے یا تقسیم کی وجہ سے نقل مکانی نہیں کی، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی وجہ بمبئی میں اس کو جائیداد رکھنے یا اپنی جائیداد کی نگہداشت کرنے یا کسی دوسرے مفاد کی نگہداشت کرنے میں مانع نہیں ہے۔"

بالآخر مسٹر بھٹو نے ہندوستان کی سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔ ان کی اپیل کی یادداشت دائر کردہ ۱۱ ستمبر ۱۹۵۷ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

۱۔ مسٹر بھٹو نے سپریم کورٹ میں اپیل (نمبر ۴۱۳ - ۱۹۵۶ء) کے لیے خصوصی اجازت نامہ کی درخواست ۱۱ مئی ۱۹۵۶ء، یا اس کے لگ بھگ دی تھی جس کی منظوری عدالت نے ۲۵ جون ۱۹۵۶ء کو دی۔ اور بالآخر یہ اپیل سماعت کے لیے منظور کر لی گئی جس کا نمبر ۴۸۹ - ۱۹۵۷ء تھا۔

۲۔ اپیل کے لیے خصوصی اجازت کے علاوہ سپریم کورٹ نے عبوری امداد کے لیے بھی مسٹر بھٹو کی درخواست منظور کر لی (سول متفرق اپیل نمبر ۶۳۲ / ۱۹۵۶ء)؛ تاہم مذکورہ یادداشت میں عبوری امداد کی نوعیت درج نہیں ہے۔

مسٹر بھٹو کی یہ کارروائی متروکہ جائیداد کے کسٹوڈین اور محکمۂ بحالیات حکومتِ ہند کے ان احکامات کے خلاف تھی جس میں ان کو تارکِ وطن قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ وہ ترکِ وطن کر کے پاکستان جا چکے ہیں۔ یادداشت کے پیراگراف نمبر ۱ میں کہا گیا تھا کہ :

"درخواست گزار نے ریاست پنجاب کی عدالتِ عالیہ واقع چندی گڑھ میں ۳۰ اپریل ۱۹۵۶ء کو ایک سول رٹ اپیل نمبر ۱۴۴ (۱۹۵۶ء) دائر کی جس میں کہا گیا تھا کہ ماتحت عدالت میں چلائے جانے والے مقدمہ کے ریکارڈ منتقلہ عدالتِ عالیہ کی مدکی رٹ، کسی دوسری مناسب مدکی رٹ کسی حکمنامہ یا ہدایت کے تحت اس تمام کارروائی کو کالعدم قرار دیا جائے جس میں درخواست گزار کو تارکِ وطن قرار دے کر اس کی جائیداد کی ضبطی یا فروخت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح کسی اور مدکی رٹ احکامات یا ہدایات کے تحت کسٹوڈین جنرل کے احکامات مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء (جس میں عاعلیہ) کے تحت تمام کارروائی کو بھی کالعدم قرار دیا جائے۔

۱۳ اگست ۱۹۵۸ء کو جب کہ ابھی یہ مقدمہ ہندوستان کی سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت تھا۔ مسٹر بھٹو نے سول متفرق پیٹیشن نمبر ۱۳۱۵ / ۱۹۵۸ء کے تحت عدالت سے اپنی درخواست واپس لینے کی اجازت طلب کی۔ اس میں انہوں نے کہا۔

درخواست گزار اب کراچی میں مستقلاً آباد ہو گیا، لہٰذا اب وہ اپیل نمبر ۴۸۹ / ۱۹۵۷ء کی مزید پیروی نہیں کرنا چاہتا جو آپ کی عدالت میں زیرِ سماعت ہے۔ اس لیے جناب والا کا یہ ناچیز درخواست گزار درخواست کرتا ہے کہ اسے اپیل نمبر ۴۸۹ / ۱۹۵۷ء کو واپس لینے کی اجازت دی جائے جو آپ کی عدالت کے زیرِ سماعت ہے اور اسے منسوخ کر دیا جائے اور دونوں متنازعہ فریقوں سے کہا جائے کہ وہ اپنے اپنے اخراجات خود برداشت کریں۔

ان کی یہ درخواست منظور کر لی گئی اور ۳ نومبر ۱۹۵۸ء کو ان کی درخواست واپس دے دی گئی۔ اس تاریخ کو انہیں اسکندر مرزا کی حکومت کے تحت وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھائے ہوئے بھی تین ہفتے ہو چکے تھے۔

پاکستان میں دعویٰ

ایک طرف مسٹر بھٹو ہندوستانی شہریت کے دعوے کی بنیاد پر ہندوستانی عدالتوں میں مقدمات لڑ رہے تھے۔ دوسری طرف وہ پاکستان میں ہندوستان میں چھوڑی ہوئی متروکہ املاک کے عوض اپنا کلیم منظور کرانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ چندی گڑھ ہائی کورٹ میں ان کے اپنے بیان حلفی کے مندرجات کے مطابق جو انہوں نے اپریل ۱۹۵۶ء میں داخل کیا تھا۔ وہ ہندوستان کے شہری تھے، جنہوں نے فسادات کے باعث، اس قسم کے کسی ہنگامے کے خوف سے یا ملک کی تقسیم کی وجہ سے ہندوستان یا ریاست بمبئی کے کسی مقام کو خیرباد نہیں کہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ان میں سے کسی وجوہ کے سبب وہ بمبئی میں (اپنی) املاک کی نگرانی یا مفاد سے محروم نہیں ہوئے۔

ایک عدالتی بیان حلفی میں باضابطہ طور پر بیان کیے جانے والے ان حقائق کے پیشِ نظر مسٹر بھٹو کو کلیموں کے اندراج کے ایکٹ مجریہ ۱۹۵۵ء کے تحت پاکستان میں کلیم داخل کرنے کا حق نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ۱۹۵۶ء میں اس ایکٹ کے تحت کلیم داخل کیا۔

انہوں نے املاک کے جن دو یونٹوں کے معاوضہ کے کلیم داخل کیے وہ "ہوٹل اسٹوریہ" نامی ایک ہوٹل اور "میرا گھونسلا" نامی ایک مکان تھا۔ یہ دونوں بمبئی میں واقع ہے۔ "میرا گھونسلا" ان کے والد نے آزادی سے قبل فروخت کر دیا تھا جب کہ ان کا بیٹا ابھی نابالغ تھا۔ عدالت کے حکم سے فروخت کی رقم جو مبلغ ۱،۴۰،۰۰۰ روپے تھی۔ حکومتِ ہند کے تمسکات میں منتقل کر دی گئی، جنہیں بیٹا سنِ بلوغت کو پہنچ کر حاصل کر سکتا تھا۔

انہوں نے جو کلیم داخل کیا تھا اس میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ہوٹل کی مالیت کا تخمینہ ۱.۲ ملین روپے اور مکان کا تخمینہ مبلغ ۱،۴۰،۰۰۰ روپے لگایا تھا۔ تاہم کلیم افسر نے پہلے کلیم کی مالیت یعنی مبلغ ۲،۹۳،۹۵۲ روپے کی توثیق کر دی۔ دوسرے کے بارے میں یہ حکم دیا کہ دعویدار ۱،۴۰،۰۰۰ روپے کے تمسکات حاصل کر سکتا تھا۔

اس فیصلے پر عدمِ اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے مسٹر بھٹو نے ڈپٹی کلیم کمشنر سے اپیل کی، جنہوں نے ۶ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو اپنے حکم کے ذریعہ ہوٹل کے معاوضہ کی رقم بڑھا کر مبلغ ۹،۰۷،۹۹۱ روپے کر دی۔ لیکن تقریباً ۶،۰۰،۰۰۰ روپے کا یہ اضافہ بھی دعویدار کو مطمئن نہ کر سکا۔ اس لیے انہوں نے نظرِ ثانی کے لیے کلیم کمشنر سے رجوع کیا، جنہوں نے حکومت کے منظور شدہ معاوضے کے ترمیم شدہ فارمولے کا اطلاق کرتے ہوئے (۱۹۴۶ء میں سالانہ مجموعی کرایہ کا ۴۰ گنا) اس املاک کی مالیت ۴،۳۰،۴۴۰ روپے تشخیص کی۔

یہ حتمی حکم ۱۸ ستمبر ۱۹۵۷ء میں مسٹر بھٹو کی اس اپیل کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد دیا گیا جو انہوں نے ہندوستان کی سپریم کورٹ میں دائر کی تھی، جس میں ہندوستان کے ایک شہری کی حیثیت سے اسی جائیداد کا دعویٰ کیا تھا جس کے لیے وہ بیک وقت پاکستانی شہری کی حیثیت سے معاوضہ کے دعوے دار تھے۔

ایوب کے وزیر کی حیثیت سے طرزِ عمل

۱۹۶۶ء کے موسم گرما میں مسٹر بھٹو کے ایوب کی حکومت سے نکلنے کے بعد ان کی وزارت کے دوران ان کے کردار کے بعض مشتبہ پہلو سامنے آئے، لیکن ان دنوں کے عمومی سیاسی خلفشار کے باعث وہ پہلو جلد ہی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ تاہم ایک وزیر کی حیثیت سے ان کے غلط طرزِ عمل کے سلسلے میں زیادہ سنگین الزامات میں سے ایک پر بعد میں باقاعدہ تحقیق ہوتی رہی ہے، جو ایک فوجداری مقدمہ کی بنیاد بنا جو اب لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر

بھٹو خاندان غیر ملکی کرنسی کے غیر قانونی لین دین میں ملوث رہا

جسٹس شفیع الرحمن پر مشتمل ایک خصوصی ٹربیونل میں زیرِ سماعت ہے۔

الزام یہ ہے کہ ایوب کی کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے اور بعد میں پاکستان کے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے مسٹر زیڈ۔ اے بھٹو نے لاڑکانہ ضلع میں مسٹر بھٹو اور ان کے اہلِ خانہ کے زیرِ قبضہ ۲۰۰۰ ایکڑ سے زیادہ رقبہ پر مشتمل نصرت فارم۔ کی ترقی کے لیے دیگر کاموں کے علاوہ درج ذیل کاموں کے لیے حکومت سندھ کے واپڈا اور زراعت، آبپاشی اور منصوبہ بندی اور ترقی کے محکموں کی خدمات سے استفادہ کیا۔

ا۔ اس فارم پر واپڈا کے ذریعے نیچی ٹیوب ویل نصب کرائے گئے، جن پر ۱۹۷،۲۹۸۵/۵۸ روپے خرچ ہوئے اور انہیں بحالو حالت میں رکھنے کے لیے ماہانہ ۵۰۶/۵۰ روپے خرچ کیے گئے۔

ب۔ ایک پمپنگ اسٹیشن کی تنصیب پر ۲۹،۳۳،۷۲/۸۰ روپے کے اخراجات کیے گئے اور دیکھ بھال کے لیے ۲،۳۳۳ روپے ماہانہ خرچ کیے گئے تھے۔

ج۔ نصرت لوپ بند کی تعمیر پر ۶،۹۰،۱۱۰ روپے کے اخراجات کیے گئے۔

د۔ ایک پکی سڑک اور دادو نہر پر ایک پل کی تعمیر پر ۳،۱۵،۷۰۹ روپے صرف کیے گئے۔

ر۔ ۱/۲ ۱۹ میل لمبی آبی گذرگاہیں، ۱/۲ ۱۷ میل لمبی کچی سڑکیں، زمین دوز بدررویں، دو آبی گزرگاہوں کے کراسنگ۔ چار آبی گزرگاہیں و روڈ کراسنگ اور سڑکوں کی ۴۲ زمین دوز بدررویں تعمیر کرائی گئیں۔

س۔ ایک اور فارم کی آبی گذرگاہوں پر اینٹوں کی چنائی پر ۱،۷۵،۰۱۱ روپے کے اخراجات کیے گئے۔

ان کاموں کی تکمیل پر حکومت کو ۸۹،۴۴،۷۵،۸۸۸/۶۸ روپے کے اخراجات کرنے پڑے۔ اگر مسٹر بھٹو اپنا اثر ورسوخ استعمال نہ کرتے اور وزیر کی حیثیت سے اور بعد میں وزیرِ اعظم کی حیثیت سے اپنی پوزیشن سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاتے تو یہ اخراجات نہ ہوتے۔

صدر اور وزیرِ اعظم کی حیثیت سے طرزِ عمل

جن برسوں میں مسٹر بھٹو کو پاکستان میں کم و بیش مکمل اختیارات حاصل رہے۔ اس دوران ان کے طرزِ عمل نے انہیں کئی قابلِ مواخذہ کارروائیوں میں ملوث کر دیا۔ ایسی کارروائیوں میں ملوث ہونے پر کئی مقدمات پہلے ہی عدالتوں کے روبرو پیش کیے جا چکے ہیں، جن کا فیصلہ ملکی قوانین کے مطابق کیا جائے گا۔ سنگین نوعیت کے مختلف الزامات پر مشتمل پانچ مقدمات لاہور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس شفیع الرحمن کے زیرِ سماعت ہیں جو ایک خصوصی ٹربیونل کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

ان مقدمات کی چارج شیٹ اور ان پر مبنی شہادتوں کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

کسٹم ڈیوٹی کا غبن

بحری اور فضائی راستہ سے منگائے جانے والے سامان پر مسٹر زیڈ۔ اے بھٹو نے کسٹم ڈیوٹی کی ادائیگی نہیں کی۔ وزیرِ اعظم کے سیکرٹریٹ سے ڈسٹرکٹ کنٹرولر آف اسٹورز (شپنگ کراچی) کو ایک مکتوب بھیجا گیا، جس میں انہیں ہدایت کی گئی کہ ایرکنڈیشننگ کے تمام سامان کو فوری طور پر آنے دیا جائے۔ کسٹم کے متعلقہ ضابطوں کی کارروائی بعد میں ہوتی رہے گی۔ یہ کہنا تحصیلِ حاصل ہے کہ ضابطہ کی یہ کارروائی بھٹو کی حکومت کے پورے دَور میں نہیں ہوئی۔

اس ڈیوٹی کے غبن سے سرکاری خزانہ کو ۵،۵۷،۹۰۴/۶۴ روپے کا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کے علاوہ اس ایرکنڈیشننگ پلانٹ پر ۵،۶۱۹۰۰/۰ روپے پاک پی ڈبلیو ڈی کراچی خرچ کر چکی تھی۔

مزید برآں ملٹری سیکرٹری اور کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن اور پاک پی ڈبلیو ڈی کے افسروں کے ایک اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۷۰/۱ کلفٹن کراچی کو ایک خصوصی کیبل سے ملایا جائے تاکہ وولٹیج کی کمی بیشی نہ ہو۔ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کو اس پراجیکٹ پر ۸۳،۷۰۰۸/- روپے صرف کرنے پڑے۔ مسٹر بھٹو نے صرف ۷۷،۹۰۶/۵۰ روپے جمع کرائے، جب کہ ۷۰، کلفٹن کراچی کے ایرکنڈیشننگ پلانٹ پر کل ۲،۰۲۴،۸۱۲/۶۴ روپے صرف ہوئے۔

سامانِ تعیش کی درآمد

جب مسٹر بھٹو کی ذاتی رہائش گاہیں ایرکنڈیشنڈ کی جا رہی تھیں تو ان کے اور ان کے اہلِ خانہ کے لیے قیمتی اشیائے تعیشات کی درآمد کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ ان میں موٹر کاریں، جھاڑ فانوس اور باتھ روم سیٹ، ماربل فرنیچر، منقش پردے اور صوفے، شیشے کا سامان، قالین اور ڈریس میٹریل شامل ہے۔ اس سلسلہ میں چارج شیٹ کے مطابق ان کے چار سالہ وزارتِ عظمیٰ کے دَور میں ان درآمدات کی دو موٹر کاروں کو چھوڑ کر کل مالیت ۷ء۱ ملین روپے تھی۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں بلا ڈیوٹی کل استحقاق ۲۰۰۰۰ روپے تھا۔ استحقاق سے زیادہ درآمدات کی وجہ سے کسٹم ڈیوٹی اور سیلز ٹیکس کی مدوں میں غبن کا تخمینہ ۲ ملین روپے سے زیادہ ہے۔

ان درآمدات کے علاوہ مسٹر بھٹو نے اپنے ذاتی حساب میں

سالانہ گوشوارہ

قیمت پاکستانی روپیہ میں

سال	درآمدات کی مجموعی مالیت	مقررہ حدود سے زائد درآمدات کی مالیت	مقررہ حد سے زائد درآمدات پر کسٹم ڈیوٹی وغیرہ کا تخمینہ
۱۹۷۳-۷۴	۳،۱۲،۳۶۶.۹۵	۲،۶۲،۳۶۶.۹۵	۴۷۱،۱۲۰.۴۴
۱۹۷۴-۷۵	۱۹،۴۰،۳۷.۴۷	۱،۴۴،۰۳۷.۴۷	۱،۰۷۷،۹۰۹.۳۸
۱۹۷۵-۷۶	۹۱،۱۶۹.۰۵	۴۱،۱۶۹.۰۵	۷۱،۹۹۸.۱۶
۱۹۷۶-۷۷	۸۰،۹۰،۹۶.۱۰	۷۵،۹۰،۹۶.۱۰	۱۳،۰۱۳،۱۰۴.۴۱
میزان	۱۴۰،۰۶،۶۶۹.۵۷	۲۱۰،۶،۶۶۹.۵۷	۲۰،۳۴،۱۳۲.۳۹

ب:۔ کاریں اور وہ آرڈر جو پورے نہیں ہوئے

اشیاء	درآمدی مالیت	کسٹم ڈیوٹی کا تخمینہ جو ادا نہیں کی گئی
ذاتی استعمال کی اشیاء جن کا حساب گوشوارہ (۱) میں پیش کیا گیا۔	۱۴۰،۶۶،۶۹.۵۷	۲۰،۳۴،۱۳۲.۳۹
جیگوار کار	۲۷،۶۰،۴۶۹۳	۱۳،۱۸۰،۲۶۲۶۸۲
مرسڈیز کار	۱۶،۸۲،۷۳۴۶۵۰	۳۰،۵۲،۳۹۵۶۲۱
ذاتی استعمال کے لیے مزید اشیاء جن کا آرڈر دے دیا گیا تھا، لیکن وہ مسٹر بھٹو کی برطرفی سے پہلے پاکستان نہیں پہنچ سکیں۔	۱،۱۰،۶۱۱۶۷۱	۱،۵۹،۱۲۲۶۸۳
میزان	۱۷،۹۳،۳۴۶۶۲۱	۳۲،۱۱،۵۱۸۶۰۴

میں وہ واحد ہستی ہوں، جس سے کوئی پُرسش نہیں ہو سکتی

ان دو کاروں کے علاوہ جو درآمد کی گئی تھیں، سرکاری طور پر منظور کی ہوئی رقموں میں سے ذاتی حساب میں مزید دو کاریں درآمد کرنے کے لیے غیر ملکی زرِ مبادلہ ادا کیا گیا لیکن یہ کاریں ابھی پاکستان نہیں پہنچیں۔

اس طرح غیر ملکی زرِ مبادلہ کے قواعد کی خلاف ورزی کی گئی۔ یہ کاریں ایم جی ایم اسپورٹس اور ٹرائمف ہیں۔ پہلی کی مالیت ۲۵,۷۷۶,۳۲ روپیہ اور دوسری کی مالیت ۴۰,۴۷,۱۷۴,۱۶ روپیہ ہے۔ دونوں کاروں کی درآمد پر ۳,۴۶,۰۰۰ روپیہ کسٹم ڈیوٹی واجب الادا تھی۔ یہ رقم مندرجہ بالا گوشواروں میں شامل نہیں کی گئی۔

یہ وہی مسٹر بھٹو ہیں جنہیں وزارتِ اطلاعات و نشریات کے سیکرٹری مسٹر نسیم احمد نے ۲۵ نومبر ۱۹۷۲ء کو جب ایک خلاصہ بھیجا تو انہوں نے کسی جھجک کے بغیر اس کے حاشیہ پر لکھ دیا۔

"میں وہ واحد ہستی ہوں جس سے کوئی پرسش نہیں کی جا سکتی۔"

نجی مکانوں پر سرکاری اخراجات

خصوصی ٹربیونل میں پیش کی جانے والی چارج شیٹ کے مطابق مسٹر بھٹو نے اپنے اقتدار کے ساڑھے پانچ سال کے دوران سرکاری فنڈز سے اپنی دو نجی رہائش گاہوں یعنی ۷۰، کلفٹن، کراچی اور المرتضیٰ لاڑکانہ پر کل ۱,۶ ملین روپے کے اخراجات کیے۔

ان اخراجات کے مقابلہ میں مسٹر بھٹو نے صرف ۲,۳۶,۵۰۱ روپے اپنی جیب سے دیے (مسٹر بھٹو نے یہ دو مکانات اثاثوں کے اس ڈیکلریشن میں ظاہر نہیں کیے جو انہوں نے متعلقہ مارشل لا ریگولیشن کے تحت ۱۹۷۸ء میں داخل کئے ہیں۔)

خفیہ فنڈ

مملکت کے سیکرٹ فنڈ ناجائز طور پر حکمران پارٹی کے فائدے کے لیے استعمال کیے گئے تھے۔ اس بدعنوانی کی بنیاد پر مسٹر بھٹو کے خلاف ایک مقدمہ اسپیشل ٹربیونل میں زیرِ سماعت ہے۔

(دیکھئے گوشوارہ)

اثاثوں کا اخفاء

خصوصی ٹربیونل میں پانچویں مقدمے کی بنیاد یہ ہے کہ اثاثوں کے غلط اور جھوٹے گوشوارے داخل کئے گئے ہیں اور کئی اہم اثاثوں کو ظاہر نہیں کیا گیا۔ چارج شیٹ کے مطابق مسٹر زیڈ اے بھٹو نے مارشل لا کے ضابطہ نمبر ۱۲ مجریہ ۱۹۷۷ء کے تحت جو گوشوارہ داخل کیا، اس میں انہوں نے اپنے اثاثوں کے بارے میں جان بوجھ کر غلط معلومات فراہم کیں اور درج ذیل املاک اور اثاثے ظاہر نہیں کئے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ان کی ملکیت ہیں۔

ا:۔ نوڈیرو میں مسٹر زیڈ اے بھٹو فارم میں تقریباً ۹۶۰ ایکڑ اراضی۔

ب:۔ لاڑکانہ میں المرتضیٰ نامی بنگلہ

ج:۔ بنگلہ نمبر ۷۰۔ کلفٹن کراچی

د:۔ نوڈیرو کے زیڈ۔ اے بھٹو فارم پر واقع "ہٹ"

ہ:۔ ایک مرسڈیز بنیز ۴۵۰ ایس ای کار، ماڈل ۱۹۷۷ جس کا رجسٹریشن نمبر KCG ۔ ۸ ہے۔

و:۔ ایرانی ساخت کی بارہ (شہباز) جیپیں جو انہوں نے پہلے صدر کے خصوصی معاون اور بعد ازاں وفاقی وزیرِ پیداوار مسٹر رفیع رضا، حکومت سندھ کے محکمہ ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کے حکام، اپنے ذاتی ملازم اور اپنے خاندان کے افراد کی ملی بھگت سے ہتھیالی تھیں۔

جائیداد اور ٹیکس

۳۰ جون ۱۹۷۰ء کو ختم ہونے والے عرصے کے لئے مسٹر بھٹو نے جو ویلتھ ٹیکس کے گوشوارے داخل کئے تھے، ان کے مطابق ان کا کل اثاثہ ۱,۰۱,۰۷,۲۲۲ روپے تھا، لیکن جون ۱۹۷۶ء تک یہ اثاثہ بڑھ کر ۶۵,۰۰,۷۷۰ روپے ہو چکا تھا، یعنی اس میں ۴۴,۲۴,۶۴۹ روپے کا اضافہ ہو چکا تھا۔

۱۹۷۱-۷۲ء اور ۱۹۷۷-۷۸ء کے درمیان یعنی ان دونوں برسوں کے درمیانی عرصے میں جن اثاثوں کی تشخیص کی گئی، مسٹر بھٹو کے اپنے اعلان کردہ اثاثوں میں ۴۲,۱۵,۷۰۰,۱ روپے کا اضافہ ہو چکا تھا۔ برخلاف اس کے ۱۹۷۱-۷۲ء ۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران ان کی اپنی تشخیص کردہ (غیر زرعی) آمدنی ۱۲۱,۲۱ روپے تھی۔ مسٹر بھٹو کا دعویٰ ہے کہ ان کی اور ان کے اہلِ خانہ کی زرعی آمدنی ۱,۳۲,۶۰,۴۴,۱ روپے سالانہ تھی، جو ٹیکس سے مستثنیٰ ہے، لہٰذا انکم ٹیکس کے گوشواروں میں اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا، اس آمدنی میں ۱۹۷۶-۷۷ء کی مدت میں ان کا اپنا حصہ ۳,۴۴,۶۰,۰۵۱ روپے بنتا ہے۔

علاوہ ازیں مسٹر بھٹو نے ہندوستان میں چھوڑی ہوئی جائیداد

گوشوارہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ۱۹۷۱-۷۲ء سے ۱۹۷۶-۷۷ء تک سیکرٹ سروسز فنڈ سے کتنی ماہانہ ادائیگیاں کی گئیں،

وصول کنندہ کا نام	رقم جو ادا کی گئی: ڈی آئی بی	رقم جو ادا کی گئی: وزیر اعظم کا سیکرٹریٹ	میزان	حوالہ کا صفحہ
سیکرٹری / ڈپٹی سیکرٹری جنرل				
مسٹر خورشید حسن میر	۱,۹۴,۶۳۲	۱۵,۳۶۸	۲,۱۰,۰۰۰	۱
ڈاکٹر مبشر حسن	۲,۳۰,۰۰۰	۳۰,۰۰۰	۲,۶۰,۰۰۰	۲
ڈاکٹر غلام حسین	۱,۰۰,۰۰۰	۴۰,۰۰۰	۱,۴۰,۰۰۰	۳
مسٹر ناصر علی رضوی	۲,۱۰,۰۰۰	۱۰,۰۰۰	۲,۲۰,۰۰۰	۴
پیپلز پارٹی کے صوبائی صدر				
مسٹر حیات محمد خان شیرپاؤ	۲,۰۰,۰۰۰	۵۰,۰۰۰	۲,۵۰,۰۰۰	۵
مسٹر آفتاب احمد خان شیرپاؤ	صفر	۲۰,۰۰۰	۲۰,۰۰۰	۶
صدر / جنرل سیکرٹری پیپلز پارٹی پنجاب				
میاں محمد افضل وٹو	۴۰,۰۰۰	۲۰,۰۰۰	۶۰,۰۰۰	۷
مسٹر محمد خالد ملک	۱,۱۰,۰۰۰	۵۰,۰۰۰	۱,۶۰,۰۰۰	۸
صدر پیپلز پارٹی کوئٹہ				
سردار غوث بخش رئیسانی	۱,۹۰,۰۰۰	۴۵,۰۰۰	۲,۳۵,۰۰۰	۹ - ۱۰
صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ				
مسٹر نصر اللہ خان خٹک	۱,۵۰,۰۰۰	۳۰,۰۰۰	۱,۸۰,۰۰۰	۱۱
سندھ کے وزیر اعلیٰ				
مسٹر ممتاز علی بھٹو	۴۰,۰۰۰	صفر	۴۰,۰۰۰	۱۲
مسٹر غلام مصطفیٰ جتوئی	۳,۳۰,۰۰۰	۸۰,۰۰۰	۴,۱۰,۰۰۰	۱۳
میزان	۱۷,۹۴,۶۳۲	۳,۹۰,۳۶۸	۳۱,۸۵,۰۰۰	

ایس۔ ایم یونس
سیکشن افسر ۸/۹/۷۷

کے عوض حاصل شدہ کلیم میں سے ۵۰۰، ۶۵، ۳ روپے کا کلیم ریگل سینما لاہور کے مالکوں کو اس شرط پر استعمال کرنے کی اجازت دے دی کہ وہ سینما کی سالانہ آمدنی میں سے دس فی صد ان کو دیتے رہیں گے۔ اس کے علاوہ یہ بھی طے ہوا تھا کہ یکم مئی ۱۹۶۰ء سے شمار کر کے ۵ برس کے اندر اصل رقم ان کو واپس کر دی جائے گی، جو باہمی رضامندی سے دو برس بڑھائی جا سکتی تھی۔ سینما کے مالکوں نے ۶۳-۱۹۶۱ء کو یہ رقم ان کو واپس کر دی اور مسٹر بھٹو نے اسے مسز نصرت بھٹو کے نام منتقل کر دیا۔

جنہوں نے ۶۴-۱۹۶۳ء کی مدت کے لئے داخل کردہ انکم ٹیکس کے گوشوارے میں اسے شامل کیا ہے، لیکن انہوں نے انکم ٹیکس کے گوشواروں میں اس مد میں صرف ۵۰۶، ۵، ۷، ۱ روپے کی رقم دکھائی ہے، جب کہ انکم ٹیکس کا ریکارڈ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں ۱۲۸، ۲۱، ۴ روپے کی رقم حاصل ہوئی۔ ریکارڈ سے کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مسز نصرت بھٹو نے قرض کی واپسی سے حاصل شدہ اس رقم کو کس چیز پر خرچ کیا۔

زمین کے لین دین میں بدعنوانیاں

نہ صرف ان زرعی اصلاحات کے تحت جو مسٹر بھٹو کے دورِ حکومت میں نافذ کی گئی تھیں، بلکہ صدر ایوب کی مارشل لاء انتظامیہ کی نافذ کی ہوئی زرعی اصلاحات کے تحت بھی اس وسیع زرعی رقبے کے بارے میں جو مسٹر بھٹو اور ان کے خاندان کی ملکیت تھا، سنگین بدعنوانیوں سے کام لیا گیا۔ اس مارشل لاء انتظامیہ میں مسٹر بھٹو کو اہم حیثیت حاصل تھی۔ مسٹر بھٹو اور ان کے اہل و عیال (بیگم بھٹو اور ان کے بیٹے بیٹیاں) غیر مساوی تبادلوں، زمین کی غلط درجہ بندی اور غیر قانونی فروخت کے ذریعے ۹۲۴، ۳۰، ۱ ایکڑ رقبے کے مالک بنے رہے۔

۱۹۵۹ء کی زرعی اصلاحات کے تحت مسٹر بھٹو اپنی زمین میں سے ۱۷۰۶ ایکڑ رقبے سے دست بردار ہو گئے تھے۔ بعد میں انہوں نے اپنے نابالغ بیٹے مسٹر غلام مرتضیٰ کی طرف سے یہ درخواست دی کہ ان کے بیٹے کی زمینیں جو تین مختلف دیہات میں واقع ہیں، ان کی اپنی زمین سے بدل دی جائیں جو چوتھے گاؤں میں واقع ہے۔ لاڑکانہ کے ڈپٹی کمشنر نے ۱۰ جون ۱۹۵۹ء کو اس تبادلے کی اجازت دے دی، لیکن زرعی اصلاحات کے عملے کو اس سلسلے میں جو ہدایات دی گئی تھیں، عملے نے اس کی تعمیل نہیں کی۔ زرعی اصلاحات کے عملے نے مسٹر غلام مرتضیٰ کو اس رقبے میں سے زمین دے دی جس سے ان کے والد پہلے ہی دست بردار ہو چکے تھے اور جو زمین مسٹر غلام مرتضیٰ بھٹو، مسٹر بھٹو کو دینے والے تھے۔ وہ حکومت کے حوالے کر دی گئی۔

مسٹر بھٹو کے اپنے دورِ حکومت میں جو زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں، ان کے تحت مسٹر بھٹو اور ان کے اہل و عیال نے (مسز نصرت بھٹو اور ان کے چار میں سے تین بچے) نے اعلان کیا کہ ان کے پاس مجموعی طور پر ۲، ۲۵۷ ایکڑ زمین ہے۔ اب ان زمینوں کے بارے میں تفتیش کی گئی ہے اور فیڈرل لینڈ کمیشن نے فیصلہ دیا ہے کہ مسٹر بھٹو اور مسز بھٹو اور ان کے دو بچوں کی زمینیں اس رقبے سے زیادہ ہیں، جس کی ملکیت کے وہ مجاز ہیں۔ کمیشن کی کارروائی عدالتی نوعیت کی تھی اور ہر مقدمے میں مدعا علیہ کی طرف سے وکیل نے مقدمے کی پیروی کی تھی۔

مسٹر بھٹو کے بارے میں فیصلہ دیا گیا کہ زمین کی غلط درجہ بندی کی وجہ سے ان کے قبضے میں اس رقبے سے جس کے وہ مجاز ہیں، ۱۴۵۰ پیداواری یونٹ زیادہ ہیں۔ جس سرکاری افسر نے ۱۹۷۲ء کی زرعی اصلاحات کے تحت مسٹر بھٹو کی زمینوں کا تعین کیا تھا، اس نے مسٹر بھٹو کی کچھ زمین کو گھٹیا درجے کی زمین قرار دیا تھا، حالانکہ لگانداری کے کاغذات کے تحت یہ زمین اتنی گھٹیا نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر بھٹو زرعی اصلاحات کے قانون کے تحت جتنے پیداواری یونٹ اپنی ملکیت میں رکھنے کے مجاز تھے، وہ اس سے زیادہ رقبے کے مالک بنے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب لینڈ کمیشن نے حکم جاری کیا ہے کہ فالتو رقبہ مسٹر بھٹو سے لے لیا جائے۔

مس بے نظیر بھٹو کے معاملے میں بھی اسی طرح زمین کی غلط درجہ بندی کی گئی اور بعض دیہات میں جو زمینیں ان کی ملکیت تھیں انہیں گھٹیا درجے کی زمین قرار دیا گیا۔ مجموعی رقبہ جو ان کے حق سے زیادہ ہے اور جسے حکومت کی تحویل میں لینے کا حکم جاری کیا گیا ہے۔ ۱۷۹۵ پیداواری یونٹ ہے۔

مسٹر شاہنواز بھٹو کے بارے میں بھی کمیشن اس نتیجے پر پہنچا کہ زمین کی غلط درجہ بندی اور اپنے والد کے ساتھ زمینوں کے غیر مساوی تبادلوں کی بدولت وہ اتنے رقبے کے مالک بنے ہوئے ہیں، جتنے رقبے پر ان کا حق نہیں بنتا، جن زمینوں کا تبادلہ کیا گیا تھا وہ رقبے میں تو برابر تھیں، لیکن ان کی پیداواری قیمت مختلف تھی۔ قانون کے تحت زمینوں کے تبادلے رقبے کے لحاظ سے نہیں، بلکہ پیداواری یونٹوں کے لحاظ سے ہونے چاہئیں۔

مسز نصرت بھٹو کا معاملہ مختلف نوعیت کا تھا، انہوں نے ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۱ء کے درمیانی عرصے میں مختلف زمینیں حاصل کی تھیں، انہوں نے مجموعی طور پر سات سودے کئے تھے، ان میں سے چار سودوں کی رجسٹری کرائی گئی تھی۔ باقی سودے زبانی تھے

المرتضیٰ کی تزئین و توسیع کے اخراجات

CONFIDENTIAL

GOVERNMENT OF PAKISTAN
MINISTRY OF LABOUR AND WORKS
(WORKS AND REHABILITATION DIVISION)

****

SUMMARY FOR THE PRESIDENT.

SUBJECT: Estimated cost of building accommodation for the President in Al-Murtaza, Larkana.

The President, through his minute dated the 6th July, 1972, desired to have an estimate for the proposed works in Al-Murtaza, Larkana. The estimates have accordingly been obtained from the Chief Engineer, Pak.P.W.D. The likely expenditure at Al-Murtaza, Larkana, will be as follows:-

I -CONSTRUCTION:

1)	Banquet Hall	= Rs.2,80,000/-
2)	Animal House	= Rs. 18,800/-
3)	2-rooms for Police barracks.	= Rs. 25,300/-
	TOTAL	Rs.3,24,100/-

II -SWIMMING POOL: Rs.1,33,000/-

III -AIR-CONDITIONING:

2. There are different alternatives for air-conditioning. The cost of each alternative is indicated below:-

1)	Central air-conditioning (both heating & cooling) for the entire house and the Banquet Hall.	= Rs.6,90,000/-
2)	Central air-conditioning only for Banquet Hall.	= Rs.3,50,000/-
3)	Central air-conditioning for the entire house and the Banquet Hall if only cooling facilities are provided.	= Rs.6,20,000/-
4)	Window-type air-conditioning without heating for the entire house and the package type air-conditioning for the Banquet Hall.	= Rs.3,50,000/-
5)	Window-type air-conditioning without heating for Banquet Hall.	= Rs.1,80,000/-

3. If customs duties in Pakistan are not levied on the air-conditioning equipment in terms of Clause 13(1) of the President's

Contd.....(2)

A-40

اور ان کے ذریعہ ۶۴ ۱۴ ایکڑ رقبے کے سودے کئے گئے تھے۔ انتقالِ جائداد کے قانون کے تحت زمین کا سودا زبانی نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ کمیشن نے ان سودوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مسٹر بھٹو کے کئے ہوئے زمینوں کے بعض سودے اس بنیاد پر بھی خلافِ قانون قرار دیئے گئے کہ ان کی وجہ سے بعض ملکیتوں کے رقبے قانون کے تحت مقرر کی ہوئی کم سے کم معاشی حد سے بھی کم رہ گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زبانی سودوں کے ذریعے جو خرید و فروخت ہوئی تھی، ان میں سے کم از کم ایک معاملے میں انتقال جائیداد کے قانون کی خلاف ورزی کے علاوہ کچھ اور بھی گڑبڑ تھی جس شخص کے ہاتھ کچھ زمین فروخت کی گئی تھی اس نے لینڈ کمیشن کے سامنے بیان دیا کہ ایک اور زمین کے عوض جو اس کی ملکیت تھی جو مسز نصرت بھٹو نے خرید لی تھی اسے یہ زمین خریدنے پر مجبور کیا گیا۔

تاہم مسز بھٹو نے صاف کہہ دیا کہ ان کا کسی بھی غیر ملکی بنک میں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہے، انہوں نے ۱۴ دسمبر ۱۹۷۷ء کو مارشل لا کے اربابِ اختیار کو لکھا ہے کہ:۔

"میرا بشمول پاکستان کسی ملک میں کہیں بھی کوئی غیر ملکی اکاؤنٹ نہیں ہے، البتہ پاکستان کے بینکوں میں میرے پاکستانی اکاؤنٹ ہیں"۔

یہ عام یقین کہ بھٹو کے خاندان کے پاس بیرونِ پاکستان بھاری مالی وسائل ہیں، بعد کی ان خبروں سے تقویت پکڑ رہا ہے کہ بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے بعد ان کے دو بیٹے مغربی دنیا اور مشرقِ وسطیٰ میں دل کھول کر خرچ کر رہے ہیں اور وسیع دورے کر رہے ہیں۔ یہ بات عام ہے کہ ان کا بڑا بیٹا مرتضیٰ بھٹو کم از کم ایک مرتبہ چارٹرڈ طیارے سے سفر کر چکا ہے، اس مدت کے دوران میں ان کے بچوں کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کے ذریعے کوئی زرِ مبادلہ نہیں بھیجا گیا۔

خاندانی ٹرسٹ

حکومتِ پاکستان نے نصرت بھٹو کیس کے سلسلے میں سپریم کورٹ میں پیش کئے گئے بیان میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جن بدعملیوں کا جائزہ پیش کیا تھا، ان میں سے ایک بڑی بدعنوانی یہ تھی کہ انہوں نے زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ اور پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کو انتہائی ناجائز طریقے پر استعمال کیا۔

اس معاملے کی مزید تحقیقات کی گئی ـــــ تو اس سلسلے میں بعض اہم تفصیلات سامنے آئی ہیں۔ بیگم نصرت بھٹو ان دونوں ٹرسٹوں کی چیئرمین تھیں ـــــ ان ٹرسٹوں کے بورڈ آف ٹرسٹیوں میں چیئرمین کے علاوہ زیڈ اے بھٹو کا بڑا لڑکا اور لڑکی، مسٹر غلام مرتضیٰ اور مس بے نظیر بھی شامل تھیں، ان کے علاوہ مسٹر بھٹو کی سب سے چھوٹی لڑکی مس صنم کو بھی بورڈ میں شامل کیا گیا تھا، بعد میں غلام مرتضیٰ بھٹو اور صنم ریٹائر ہو گئیں اور مسز نصرت بھٹو کی بھانجی مسز گلزار احمد کو جو ایک سینئر بینکر کی اہلیہ تھیں، بورڈ میں شامل کر لیا

غیر ملکی کرنسی کا لین دین

اس بات کے بھی کافی شواہد ملے ہیں کہ بھٹو خاندان غیر ملکی کرنسی کے غیر قانونی لین دین میں ملوث رہا ہے، اس کا تعلق مسٹر بھٹو کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے کے عرصے سے ہے، چونکہ ان میں سے بہت سے لین دین بین الاقوامی قرضہ جاتی اداروں حتیٰ کہ غیر ملکی حکومتوں کے حساس معاملات سے متعلق ہیں، اس لئے جو حقائق معلوم ہوئے ہیں، ان سب کو شائع نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم مسز نصرت بھٹو کی طرف سے جنیوا کے ایک بنک کے چھپے ہوئے کاغذ پر لکھا ہوا ایک مکتوب جو بیسل کے ایک بنک کے نام ہے، نقل کیا جا سکتا ہے۔ یہ خط ستمبر ۱۹۷۰ء میں لکھا گیا تھا، یہ ۲۰،۰۰۰ امریکی ڈالر کی ایک رقم دوسرے بنک کو منتقلی کی ایڈوائس ہے، اس میں کہا گیا ہے:۔

"چونکہ میں بیسل نہیں آ سکتی، اس لئے براہ کرم بیس ہزار امریکی ڈالر میرے نام بذریعہ ٹیلیکس بنام (بنک کا نام اور پتہ) فوری طور پر منتقل کر دیں، کیونکہ میں یہاں چند روز کیلئے ہوں"۔

اس خط کے بعد دو منتقلیاں کی گئیں، جنیوا میں بیگم نصرت بھٹو کے نامزد کردہ بنک کو ۲۰،۰۰۰ ڈالر کی رقم بھیجنے کے لئے بیسل میں بنک کا اکاؤنٹ نمبر ۷۹۰ کو بڑھانے کے لئے ۵۰، ۱۱۶۰، ۸۶ فرانکس کا ادھار دیا گیا، اس طرح ادھار دی جانے والی رقم میں جنیوا اور نیویارک کے مابین ٹیلیکس فیس کی رقم بھی شامل تھی۔

ایک سال بعد اسی قسم کی ایک اور منتقلی کی گئی، جس میں وہی دونوں بنک ملوث تھے، اس سے ان منتقلیوں کی نوعیت اور حد کا پتہ چلتا ہے جو مسٹر بھٹو اور ان کے اہلِ خانہ کے مخصوص مفاد کے لئے کی گئی تھیں، اس کیس میں بیسل (سوئٹزر لینڈ) میں واقع ایک سوئس بنک نے نیویارک میں واقع ایک امریکی بنک کو ۵۰،۰۰۰ ڈالر کی رقم ادا کی جو جنیوا میں واقع ایک تیسرے سوئس بنک کے بیگم نصرت بھٹو کے اکاؤنٹ میں منتقل کرنی تھی۔

یہ منتقلی بھی حسبِ سابق تھی جس پر عمل کیا گیا اور ادائیگی کرنے والے بنک کی طرف سے قرضے کی ایڈوائس جاری کی گئی۔

Prime Minister's Secretariat (Personal)

***

Sub: Installation of Air-conditioning Equipment at Al-Murtaza Larkana

The Prime Minister of Pakistan Mr Zulfikar Ali Bhutto has been visiting his house Al-Murtaza at Larkana off and on eversince he took over as President in December, 1971. He has also been receiving very important visitors from abroad at Larkana, like the Shah of Iran, Sheikh of Abu Dhabi etc.

2 Al-Murtaza had been airconditioned with window type air-conditioner before the Prime Minister took over as President. However it was noticed that negotiations with important personalities could not take place in the room satisfactorily as the window type air-conditioners were noisy. So it was decided to replace these airconditioners and provide quiet airconditioning. As the Government of Pakistan had taken the responsibility of maintaining this House, hence PWD was asked to do the needful. They installed new airconditioning equipment in middle 1973 at Government expense.

3 A question has arisen that whenever the Prime Minister vacate his high office, what would happen to this equipment. It would be a wasteful ~~excessive~~ to remove this installation as it involves removing ducking, by damaging walls and ceiling, restoring of which would cost a lot to the Government. After discussing this case with the Chief Engineer Pak PWD (Mr Siddiquei) and Superintending Engineer (Mr Jafar Ali) we came to conclusion that the equipment should be priced on yearly basis giving depreciated cost and at the time of vacation of office by Mr Zulfikar Ali Bhutto he should have the option of paying the ~~remedial~~ cost and retain the installation.

4 The Superintending Engineer has worked out the depreciated value of the entire installation on yearly basis for 10 years (Copy attached).

5 As the Prime Minister tenure finishes in 1978 (in the 6th year of installation) the depreciated cost as worked out by the S.E comes to Rs. 92017. According to the above proposal if the Prime Minister pays this much money in 1978 he can own the installation.

6 Another point may also be considered that the Prime Minister before taking over as President was quite happy with the window type air-conditioners and would have not installed costly equipment had it not been the requirement of his high office. As this installation was considered necessary in the interest of the state, he should not be made to pay the full depreciated cost but a part of the cost should be borne by the Government.

7 This case is submitted for Government decision.

8 An early decision may please be taken and the undersigned informed accordingly.

M Imtiaz Ali

Brigadier,
Military Secretary to Prime Minister
(M Imtiaz Ali)

Minister for Works & Labour Islamabad

No. 162(6)-4/73 21 Nov 73

A-54

"المرتضیٰ" میں ایئر کنڈیشن لگانے کا منصوبہ

گیا۔ زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ میں چیئرمین کے علاوہ مسٹر آدم خان بھٹو کالڑکا مسٹر یار محمد اور ایک مشہور بین الاقوامی بینکار مسٹر آغا حسن عابدی شامل تھے، جو بیرون ملک آباد ہیں۔

اگرچہ یہ دونوں ٹرسٹ نجی ادارے تھے جن پر ۱۸۸۲ء کے ٹرسٹ ایکٹ کا اطلاق ہوتا تھا، لیکن سنٹرل بورڈ آف ریونیو نے ان کو پبلک ٹرسٹ قرار دے دیا جن کو موصول ہونے والے عطیات انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔

ان ٹرسٹوں کی پرائیویٹ حیثیت کا اظہار اس حقیقت سے بھی ہوتا ہے کہ دونوں کی ٹرسٹ ڈیڈز کے لئے اسٹیمپ ایکٹ کے تحت ۴۰ روپے اسٹیمپ ڈیوٹی وصول کی گئی۔ بعینہٖ ۱۲ اگست اور یکم نومبر ۱۹۷۴ء کو کراچی کے کلکٹر کے سرٹیفکیٹ کا بھی اقرار نامہ پر اندراج کیا گیا۔ مزید براں بیگم نصرت بھٹو نے سندھ ہائی کورٹ میں ان ٹرسٹوں کے متعلق اپنی رٹ درخواست میں یہ موقف اختیار کیا کہ چونکہ یہ پرائیویٹ ٹرسٹ ہیں، اس لئے ان کے حقوق اصل مالکوں کے حوالے کر دیئے جائیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ٹرسٹ، ان شرائط تک کو پورا نہیں کرتے تھے جو ٹرسٹ ایکٹ کے تحت کسی پرائیویٹ ٹرسٹ پر عائد ہوتی ہیں، اس ایکٹ کی دفعہ ۶ کے تحت لازمی ہوتا ہے کہ ٹرسٹ کے جو مالک ہیں، وہ واضح طور پر یہ بتائیں کہ اس ٹرسٹ سے کس کس کا مفاد وابستہ ہے، ان دونوں ٹرسٹوں نے یہ قانونی شرائط پوری نہیں کیں۔

زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ کی تشکیل کے سلسلے میں ایک اور بے قاعدگی بھی کی گئی جو یہ تھی کہ مسٹر آغا حسن عابدی کو اس کے بورڈ میں شامل کیا گیا، حالانکہ ٹرسٹ ایکٹ کی دفعہ ۶ کے تحت کسی ایسے شخص کو بورڈ میں نامزد نہیں کیا جا سکتا جو کسی بیرونی ملک میں آباد ہو۔

اس کے علاوہ سنٹرل بورڈ آف ریونیو نے ان ٹرسٹوں کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ رکھنے کے لئے ان کو پبلک ٹرسٹ قرار دینے کی جو کارروائی کی، وہ بھی بے ضابطہ تھی، کیونکہ انکم ٹیکس ایکٹ کی دفعہ ۱۵۔ڈی (ا)۔ ڈی (ا) (بی) بشمول دفعہ ۱۵۔ڈی (۴) کے تحت اس کی اجازت نہیں ہے۔

دفعہ ۱۵۔ڈی (ا) (بی) کے مطابق صرف ایسے ٹرسٹوں کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے جو مذہبی یا خیراتی مقاصد کے لئے قائم کئے جائیں اور جن کے قیام کی سنٹرل بورڈ آف ریونیو سے منظوری حاصل کی گئی ہو۔

دفعہ ۱۵ڈی (۴) کے تحت خیراتی ادارہ اس ادارے کو کہتے ہیں جو غریبوں کی فلاح و بہبود، تعلیم، طبی امداد اور مفادِ عامہ کے کسی ایسے ہی دوسرے مقصد کے لئے قائم کیا جائے، اس دفعہ کا اطلاق ان پرائیویٹ اداروں پر نہیں ہوتا جن کے قیام کا مقصد مفادِ عامہ کے علاوہ کچھ اور ہو۔

اس بے قاعدگی ہی پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ مذہبی اور خیراتی اداروں کو موصول ہونے والے عطیات کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے کی دفعہ ہی میں بنیادی تبدیلیاں کر دی گئیں۔

موقعہ کی اہمیت

متعلقہ قواعد میں ترمیم اور دونوں ٹرسٹوں کی طرف سے انکم ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے کی درخواستوں کے اوقات کو دیکھنے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترمیمیں کن مقاصد کے لئے کی گئی تھیں۔

ذوالفقار علی بھٹو ٹرسٹ، ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں ایک اقرار نامے کے تحت قائم کیا گیا اور پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کی تشکیل ایسے ہی ایک اور اقرار نامے کے تحت ۱۹ اگست ۱۹۷۴ء میں ہوئی۔

اگر یہ ٹرسٹ انکم ٹیکس ایکٹ کی دفعہ ۱۵ (ڈی)، (ا) (بی) کے تحت انکم ٹیکس سے منظوری کے حقدار تھے، تو پھر ان کے ٹرسٹیوں کو چاہیئے تھا کہ وہ ان کے اقرار ناموں کے عمل میں آتے ہی منظوری کے لئے درخواست دے دیتے یا دوسری صورت میں اس وقت درخواست کرتے، جب کہ ۱۶ ستمبر ۱۹۷۵ء کو گزٹ آف پاکستان میں مذہبی اور خیراتی اداروں کے قواعد مجریہ ۱۹۷۵ء کے قواعد کی منظوری شائع ہوئی تھی۔

ایسی کوئی بھی درخواست نہیں کی گئی، کیونکہ جن اقرار ناموں اور دستاویزوں کے تحت یہ ٹرسٹ قائم ہوئے، ان کے تحت ان کے ٹرسٹیوں کو منظوری حاصل ہونے کی توقع نہیں تھی۔

ان کے ٹرسٹیوں نے دو تین سال انتظار کرنے کے بعد جون ۱۹۷۶ء کے آخری ہفتے میں اسی وقت درخواستیں دیں، جب کہ مذہبی اور خیراتی اداروں کے ۱۹۷۵ء کے قواعد میں نمایاں تبدیلیاں نہ کر دی گئیں۔ قواعد میں یہ ترمیمیں اضافی اور حذف شدہ قواعد کے ساتھ ایس آر او ۶۰۶ (ا) / ۷۶ مورخہ ۲۳ جون ۱۹۷۶ء کے تحت ۲۴ جون ۱۹۷۶ء کے گزٹ میں شائع ہوئیں۔ پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کی منظوری کی درخواست اسی سال ۲۲ جون کو اور زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ کے متعلق درخواست ۲۶ جون کو سنٹرل بورڈ آف ریونیو کے دفتر میں موصول ہوئیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ درخواستیں اس کے بعد ہی بھیجی گئیں، جب کہ قواعد میں بورڈ نے ایسی تبدیلیاں کر دیں یا اس سے کرا دی گئیں جن کی موجودگی میں یہ درخواستیں منظور نہ ہو سکتی تھیں۔

وزیر اعظم نے سیکرٹریٹ اور لاڑکانہ میونسپل کمیٹی کے ایڈمنسٹریٹو افسران ٹرسٹوں کے عملے کے طور پر کام کرتے تھے۔ وزیر اعظم کے خصوصی معاون مسٹر فیروز قیصر کی بھی یہ ذمے داری تھی کہ وہ ان ٹرسٹوں کے مفاد کا خیال رکھیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے ۱۲ اگست ۱۹۷۶ء کو ٹرسٹ میں کسی ٹرسٹی کے رشتے دار کو ملازم رکھنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے جو نوٹ بھیجا، اس میں کہا گیا تھا کہ "ٹرسٹ میں چونکہ ٹرسٹیوں کے رشتے داروں کو ملازم رکھنے کا فیصلہ کیا ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کو باقاعدہ شکل دے دی جائے اور سی بی آر اس کی رجسٹریشن کرا دی جائے تاکہ آئندہ کسی مرحلے پر سنٹرل بورڈ آف ریونیو یا حکومت کے متعلقہ ادارے اس کو بنیاد بنا کر ان ٹرسٹوں کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ رکھنے کا فیصلہ واپس نہ لے سکے"۔

پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کے فنڈ کا انتظام بیگم نصرت بھٹو کی تحویل میں تھا جب کہ اس کے حسابات کی دیکھ بھال وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ کے ایک سیکشن افسر مسٹر امیر احمد کے ذمے تھی۔ بعد میں حساب کتاب رکھنے کی ذمے داری وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ کے ایک اور سیکشن افسر مسٹر ایس ایم یونس کے سپرد کر دی گئی جو اس سیکرٹریٹ کے سیکریٹ سیکشن میں کام کر رہے تھے اور اہم بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف خفیہ فنڈ بلکہ وزیر اعظم کے ویلفیئر فنڈ کے حسابات بھی رکھتے تھے۔ یہ دونوں سرکاری ملازم تھے اور ان کو سرکاری خزانے سے تنخواہ ملتی تھی، لیکن ان سے ان ٹرسٹوں کا بھی کام لیا جاتا تھا۔

جنرل منیجر کا بیان

اس کے برعکس پیپلز فاؤنڈیشن کے باقاعدہ جنرل منیجر سید معصوم علی تھے جو اس کے تنخواہ دار ملازم تھے، مگر ان کے ذمے سرے سے کوئی کام نہ تھا۔ وہ اپنے فرائض کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "مجھے ۱۹۷۵ء میں پیپلز فاؤنڈیشن کا جنرل منیجر مقرر کیا گیا۔ میرے یہ عہدہ سنبھالنے سے پہلے اور بعد میں بھی زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ اور پیپلز فاؤنڈیشن کے حسابات کی دیکھ بھال زیادہ تر سابقہ وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ کے سیکرٹری مسٹر افضل سعید خان، جوائنٹ سیکرٹری مسٹر دلاور حسین اور سیکشن افسر مسٹر امیر احمد کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ء کے وسط میں مجھے بتایا گیا کہ مجھے پیپلز فاؤنڈیشن کا رجسٹر رکھنا چاہیئے۔ میرے پاس صرف پیپلز فاؤنڈیشن کا حساب کتاب تھا اور ۱۹۷۶ء میں مجھ سے کہا گیا کہ میں زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ کے اکاؤنٹس مرتب کروں۔ پیپلز فاؤنڈیشن کا سرمایہ دو کروڑ روپے اور زیڈ اے بھٹو کا سرمایہ تین کروڑ روپے تھا۔ تمام بل مسٹر افضل سعید خان کے پاس جاتے تھے جو ان کی جانچ پڑتال کرتے تھے اور بیگم بھٹو سے چیک حاصل کرتے تھے۔

مجھے رجسٹر مرتب کرنے کے لئے رسیدوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں فراہم کی جاتی تھیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے لاہور میں (اے) ہسپتال کی تعمیر کے لئے بلڈر ایسوسی ایٹس اور عباسی ایسوسی ایٹس کو ۸۔۵ ملین روپے ادا کئے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تعمیر کے لئے بلڈر ایسوسی ایٹس کو ۲۷/۳۰۵،۳۰۰،۲۷ روپے اور نگرانی کے لئے عباسی ایسوسی ایٹس کو ۷۵/۲۱۰،۵۱۰،۵ روپے دیئے گئے۔ یہ وہ ادائیگیاں ہیں جو ۳۰ اپریل ۱۹۷۷ء تک کی گئیں۔ مئی ۱۹۷۷ء میں مجھے اس بارے میں ایک خط کی نقل بھیجی گئی کہ میسرز بلڈر ایسوسی ایٹس کو لاہور میں شیخ اسپتال کی تعمیر کے لئے کئے جانے والے کام کے سلسلے میں یونائیٹڈ بنک لاڑکانہ کے ذریعے مزید مبلغ ۱۶/۴۹۱،۵۶،۱۶ روپے کی رقم ادا کر دی گئی ہے۔ جہاں تک زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ کا تعلق ہے۔ مجھے صرف اکاؤنٹس مرتب کرنے کو کہا گیا تھا، نہ تو میرے پاس ان کا مکمل حساب کتاب تھا نہ ہی میں نے کبھی ان پر دستخط کئے"۔

اسی طرح پیپلز فاؤنڈیشن لیمٹڈ (مسٹر زیڈ اے بھٹو کے اہلِ خاندان کی جائیداد) کے نام پر کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن سے ۳۴ روپے فی مربع گز کے حساب سے ۴۹۵،۳ مربع گز پر

مشتمل ایک پلاٹ حاصل کیا تھا۔ تاہم حزب اختلاف کے کچھ ارکان کے اعتراض پر مذکورہ پلاٹ کی قیمت کا ازسرِ نو تعین کر دیا گیا، لیکن اس کے باوجود بھی اس کی قیمت فقط ۲۳۵ روپے فی مربع گز مقرر کی گئی (جو اس وقت کے وزیر ہاؤسنگ اور لوکل گورنمنٹ حکومتِ سندھ جام صادق علی سے ملی بھگت کر کے طے کرائی گئی تھی) اس کے بعد اس پلاٹ کو پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کے نام پر رجسٹر کرا دیا گیا۔ اس وقت کھلی مارکیٹ میں اس کی قیمت مبلغ ایک ہزار پانچ سو روپے فی مربع گز سے کم نہیں تھی۔

وزیر اعظم کے سیکرٹری مسٹر افضل سعید خان کو سرکاری مکتوبات لکھنے اور ضروری تفصیلات کو درست کرنے کے لئے آگے آنا پڑا۔

ایک پلاٹ پر ۲۵ ملین روپے کی لاگت سے ۱۰ منزلہ عمارت تعمیر کی جا چکی ہے، اس کا کوئی منظور شدہ پلان نہیں تھا اور تعمیر میں کے، ایم، سی کے ضمنی قواعد کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اسی طرح عمارت کی تعمیر کے لئے بھی ٹنڈر طلب نہیں کئے گئے۔ ایک (سابق ایم پی اے) مسٹر رکن الدین ٹھیکیدار اور دوسرے چھوٹے ٹھیکیداروں کو بلا مقابلہ ٹھیکے دیئے گئے۔

اس عمارت کا ۱۹۷۶ء کے سال کے کچھ حصے کا کرایہ ۳.۶۶ ملین روپے پیشگی ادا کر دیئے گئے۔ پورے سال کا کرایہ تقریباً ۴.۱ ملین روپے ہوگا۔ کرایہ داروں میں قومی تحویل میں لی گئی تین کارپوریشنیں اور ایک جاپانی فرم ہے، اس کے تہہ خانہ میں فاؤنڈیشن کا پریس ہے جو ٹرسٹ اور مسٹر زیڈ اے بھٹو کے اہلِ خانہ کے ان سیاسی اخبارات کی طباعت کرتا ہے جو ان کی ذاتی ملکیت ہیں۔ دسویں منزل مسز نصرت بھٹو کے دفاتر اور ان کے آرام کمروں کے لئے وقف ہے، اس منزل کے لئے ٹرسٹ نے مسز رسال الدین کے ذریعے ہانگ کانگ سے قالینوں کا آرڈر دیا۔ مسز رسال الدین اس سودے کے لئے گئیں، لیکن واپس نہیں آئیں۔ شاید انہوں نے یہ محسوس کیا ہو کہ مارشل لاء کے نفاذ سے ملک میں حالات ان کے لئے سازگار نہ رہے ہوں۔

کراچی میں ۳۰۰،۰۰۰ روپے کی مالیت کے فرنیچر کا آرڈر دیا گیا اور اس کے لئے ۱۰۰،۰۰۰ روپے پیشگی دیئے گئے۔ ٹرسٹ کی چیئرمین مسز نصرت بھٹو کے لئے ایک شاہانہ قیمتی کرسی کا لندن میں آرڈر دیا گیا۔ سنٹرل بورڈ آف ریونیو نے حکم بجا لاتے ہوئے ان اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی کی چھوٹ دے دی۔

محصولات کا غبن

سرکاری ٹیکسوں کو غبن کرنے کے لئے دستاویزات میں غیر مناسب ردوبدل کرنے کے لئے ایک غیر ملکی اہم شخصیت کو شریک کیا گیا۔ بیرونی ممالک سے درآمد کی جانے والی مختلف اشیاء پر اس بنیاد پر کسٹم ڈیوٹی کی چھوٹ دے دی جاتی تھی "مذکورہ اشیاء ایک غیر ملکی اہم شخصیت کے لئے ہیں جنہیں سفارتی استحقاق حاصل ہیں"۔

تاہم "چھوٹ کے سرٹیفکیٹ" میں جو ان کے بارے میں یہ تصدیق کرتے ہیں کہ وہ غیر ملکی اہم شخصیت کے ذاتی استعمال کے لئے ہیں، ان زیرِ بحث اشیاء کے "اشیاء کی مکمل تفصیلات کے خانے میں"۔ یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ "پیپلز فاؤنڈیشن بلڈنگ کے لئے" ہیں، اس طرح کسٹم ڈیوٹی سے مستثنےٰ کی جانے والی کچھ قابلِ ذکر اشیاء یہ تھیں۔

اشیاء	مقدار	سی آئی ایف	مالیت	ساختہ ملک
۱۔ انٹی سن فلوٹ گلاس برائے پیپلز فاؤنڈیشن بلڈنگ	۶۶۰	مربع فٹ	۹۵:۷،۳۳ پونڈ	برطانیہ
۲۔ پیپلز پبلیکیشنز بلڈنگ کراچی کیلئے پیسنجر لفٹس اور ڈمپ ویٹر	۲۱	بکس	۰۰.۷۰۰،۲۶ الیف الیف	فرانس
۳۔ ایضاً	۶ / ۱	بکس کھلے	۵۰.۷۰.۴۲۰،۱۱ اطالوی لیرے	اٹلی
۴۔ پیپلز فاؤنڈیشن بلڈنگ کیلئے ائر کنڈیشننگ مشینری	۳	پیکجز	۶۹۲۰،۷ ڈالر	امریکہ

مسٹر بھٹو کی حکومت کے خاتمہ سے صرف چند گھنٹے قبل پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ روپے کا اضافہ ہوا تھا۔ ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کو وزیر اعظم سیکرٹریٹ (پبلک) کے ڈپٹی سیکرٹری مسٹر رحمت علی صدیقی نے مسٹر عزیز احمد، او، ایس، ڈی کو ایک مکتوب لکھا جس کے ساتھ ۴۳۸،۵۶۴ روپے کی مالیت کا ایک چیک منسلک تھا جو پیپلز پارٹی کی طرف سے متروکہ وقف املاک کے بورڈ کی طرف سے لارنس روڈ اور کوئنز روڈ لاہور کے سنگم پر واقع زمین کے ایک پلاٹ کی قیمت کی واپسی کا تھا۔

مسٹر رحمت علی صدیقی نے درخواست کی کہ یہ چیک پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیا جائے اور اس بات کی اطلاع سیکرٹریٹ کو پیپلز فاؤنڈیشن کو ریکارڈ کے لئے دے دی جائے۔

اس مکتوب کی صرف ایک نقل پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کراچی کے جنرل مینجر سید معصوم علی کو بھیجی گئی۔ انہیں بتایا گیا کہ مذکورہ بالا رقم حسب ذیل ادائیگیوں سے متعلق ہے۔

۱۔ (۱) ۲ کنال ۱۹ مرلہ اور ۸۹ مربع فٹ کی ۲۵۰۰۰۰ روپے فی کنال کے حساب سے پلاٹ کی قیمت کی فوری ادائیگی کے لئے۔ ۵،۴۹،۲۴۵.۰۰ روپے

ب۔ سالانہ لیز کی رقم ۱،۰۹۸۵.۰۰ روپے

ج۔ غیر عدالتی ٹکٹ کے کاغذ کی مالیت کی استعداد ۳،۸۰.۰۰ روپے

د۔ رجسٹریشن فیس ۱،۰۶۳.۰۰ روپے

ر۔ لیز ڈیڈ کی نقل کی تصدیقی فیس ۱۱.۰۰ روپے

میزان ۵،۶۴،۳۸۴.۰۰ روپے

تحقیقات سے پتہ چلا کہ پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کی ایک ٹرسٹی مسز گلزار احمد ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد سے قطعی ناواقف ہیں، وہ کسی اہلیت یا کوئی عطیہ دیئے بغیر معمولی ٹرسٹی ہیں۔ تحقیقات کے دوران میں مسز گلزار احمد، مسز نصرت بھٹو کی عدم موجودگی میں کچھ نہیں کہنا چاہتیں اور نہ بیگم بھٹو مسز گلزار احمد کا اکیلے بیان لینے کی اجازت دیں گی۔ مسز گلزار احمد سے کئے جانے والے ہر سوال کا جواب مسز نصرت بھٹو دیں گی کیونکہ اول الذکر کو کچھ یاد نہیں۔

خاندانی جاگیر

ٹرسٹ کو بلاشبہ مسٹر زیڈ اے بھٹو کے مفاد میں خاندانی جاگیر تصور کیا جاتا ہے۔ تحقیقات کے دوران میں مسز بھٹو نے انتہائی غصہ کی حالت میں اعتراف کیا کہ ٹرسٹ ان کی خاندانی جاگیر ہے، اس لئے کسی تفتیش کا جواز نہیں۔ انہوں نے یہ دھمکی دینے سے بھی گریز نہیں کیا کہ تفتیشی افسروں کے نام حاصل کر لئے ہیں اور مناسب وقت پر ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔

مسٹر بھٹو نے ان دو ٹرسٹوں کے لئے رقمیں اور مال بٹورنے کے لئے پاکستان کی سرحدوں سے آگے تک ہاتھ بڑھائے۔ انہوں نے ان ٹرسٹوں کے نام پر اپنی ذات اور اپنے خاندان کے لئے اور اپنے سیاسی عزائم پورے کرنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں اینٹھنے کی غرض سے پاکستان کے ساتھ ایک غیر ملکی حکمران کی محبت اور پاکستانی حکمرانوں کے قول پر اس کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ وفاقی حکومت کی طرف سے سپریم کورٹ میں نصرت بھٹو کے مقدمہ میں جو بیان داخل کیا گیا، اس کے مطابق "۲۲ اگست ۱۹۷۴ء اور ۲۰ مئی ۱۹۷۷ء کے درمیانی عرصہ میں ابوظہبی کے حکمران سے قسطوں میں مجموعی طور پر ۴۸.۴ ملین کی رقم وصول کی گئی۔ ابوظہبی کے حکمران نے یہ رقم پاکستانیوں کے ساتھ اپنی محبت کی وجہ سے دی تھی، لیکن ٹرسٹ کو غلط طور پر استعمال کیا گیا اور پارٹی کے مختلف اخباروں (مثلاً ہلالِ پاکستان، نصرت وغیرہ) کے ذریعہ مسٹر بھٹو اور پیپلز پارٹی کی پبلسٹی کی گئی۔

پیپلز فاؤنڈیشن ٹرسٹ کے علاوہ ابوظہبی کے حکمران کی طرف سے وصول ہونے والی رقم سے ایک اور ٹرسٹ زیڈ اے بھٹو ٹرسٹ کے نام سے ۶ نومبر ۱۹۷۳ء کو قائم کیا گیا۔ ابوظہبی کے حکمران نے اس ٹرسٹ کے لئے مزید ۷.۲ ملین روپے اور ایک لاکھ امریکی ڈالر کے عطیات دیئے۔ بعد میں ابوظہبی کے حکمران نے اندازاً ۳۰.۱ ملین کے اور عطیات دیئے۔"

UCF

- حکومت نے تعاون کا یقین دلایا
- عوام نے دل کھول کر پذیرائی کی
- خوش حالی ہر سُو پھیلے گی۔
- بنکوں کا دَور لد گیا، آنے والا دَور نجی سرمایہ کاری اداروں کا ہو گا

ہم شِرکت و مضاربت کے اسلامی اُصول پر عمل پیرا ہیں

یونائیٹڈ کمرشل فنانس کے پریذیڈنٹ داؤد احمد چودھری سے ایک ملاقات ــــــ اسد اللہ غالب

پوری دنیا اس وقت شدید افراطِ زر میں مبتلا ہے، قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ بظاہر کئی ممالک ترقی کی معراج کو چھُو رہے ہیں، مگر عام آدمی معاشی خوش حالی سے متمتع نہیں ہو سکا۔ اس صورتِ حال کی ذمہ داری اس ناقص منصوبہ بندی کی ہے جو گزشتہ پانچ عشروں سے کی جا رہی ہے۔ شروع میں زر کا کاروبار کرنے کے لیے کوآپریٹو بنکوں کو میدان میں جھونکا گیا۔ یہ ناکام ہو گئے، تو کمرشل بنک بگولے کی طرح اس خلا میں آگے بڑھے، مگر چند عشروں میں ہی بنکاری کا پُورا نظام اپنی بنیادوں پر گرتا چلا آ رہا ہے۔ بنکوں کی تمام تر سرگرمیوں کا محور سُود قرار پایا اور یہی چیز موجودہ معاشی نظام کی تباہی کا باعث بن رہی ہے۔ بنکوں نے قرضے دیے، تو صرف ایک مخصوص طبقے کو اور اس طبقے نے کوئی صنعت لگائی، کاروبار کیا، تو اپنی مرضی کے دائرے میں۔ نتیجہ یہ کہ معیشت کی شہ رگ انہی کے حریص پنجوں میں جکڑی رہی اور تازہ سانس نہ جانے کے باعث آج پوری انسانیت بے دم ہوتی نظر آتی ہے۔ ظاہری چکا چوند کے باوجود فلاکت کے منحوس سائے بدستور مسلط ہیں اور یہی وہ صورتِ حال ہے، جس میں اشتراکیت پھَل پھُول سکتی ہے۔

آج وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ معاشرے کے ہر فرد کو، ہر خطّے کو معیشی ترقی میں حصّہ دار بنایا جائے، اسی لیے پُوری دنیا میں نجی سرمایہ کاری کے اداروں کو خوش آمدید کہا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ یہ ادارے عام آدمی کی چھوٹی چھوٹی بچتوں سے کام شروع کرتے ہیں، مگر بنکوں کی طرح ان بچتوں کو بڑے بڑے شہروں میں منتقل نہیں کر دیتے، بلکہ انہی علاقوں میں بنیادی صنعتوں کا قیام عمل میں لاتے ہیں، جس سے سرمایہ لگانے والوں کو ایک طرف یہ تسلی رہتی ہے کہ اُن کی رقم اُن کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ دوسری طرف اُس علاقے میں خوشحالی دبے پاؤں داخل ہو جاتی ہے۔ تیسری طرف بے روزگاری کے عفریت پر کاری ضرب لگتی ہے۔ چوتھا فائدہ یہ پہنچتا ہے کہ روپیہ انویسٹ ہو جانے کے بعد لوگوں کی قوّتِ خرید گھٹ جاتی ہے، اس سے افراطِ زر میں کمی واقع ہوتی ہے اور بازار میں قیمتیں گر جاتی ہیں۔ نجی مالیاتی اداروں کے ذریعے سرمایہ کاری کرنے والے نفع میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور اُن کے ضمیر پر کسی وقت بھی یہ بوجھ نہیں ہوتا

صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی یقین دہانی

ایک مالیاتی کارپوریشن نے مناسب آئینی تحفظ کے لیے جناب صدر ضیاء الحق سے اپیل کی، تو ذیل کا حوصلہ افزا جواب موصول ہوا: "جناب صدر نے یہ ہدایت بمسرت دی ہے کہ اس معاملے میں موزوں کارروائی عمل میں لائی جائے اور درخواست دہندہ کو تسلی بخش جواب دیا جائے۔"

۱۰ اکتوبر ۱۹۷۸ء

کہ وہ سُود جیسی حرام کمائی پر پل رہے ہیں۔ اسلام نے سُود کو حرام قرار دیا تھا، تو اس میں حکمت تھی، جسے مغربی دُنیا نے فراموش کر دیا۔ آج پاکستان اسلامی نظام کے عملی نفاذ کی منزل کی جانب تیزی سے بڑھ رہا ہے، تو ہمیں لازماً بلاسُود سرمایہ کاری اور شرکت و مضاربت کے درخشاں اور قابلِ عمل اسلامی اصولوں کو اپنانا ہوگا۔

یونائیٹڈ کمرشل فنانس، نجی شعبے میں ایسا ہی ایک نجی سرمایہ کاری کا ادارہ ہے، جس کے ذریعے ملک کے طول و عرض میں بسنے والے لوگوں نے سرمایہ کاری کا آغاز کر دیا ہے۔ خوشگوار نتائج بڑی تیزی سے حاصل ہو رہے ہیں۔

اس ادارے کے پریذیڈنٹ جناب داؤد چوہدری کا کہنا ہے کہ عوام کے بہت بڑے طبقے نے ہماری پذیرائی کی ہے۔ بعض مرحلوں پر سرکاری حکام کی طرف سے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی، مگر عوام نے بدستور ہم پر اعتماد کا اظہار کر کے ہمارے حق میں ووٹ کاسٹ کر دیا ہے۔ قانون تو عوام کی خواہشات کا پَرتو ہوتا ہے، اس لیے ہماری درخواست ہے کہ نجی مالیاتی اداروں کی کارکردگی کے لیے واضح لائحۂ عمل کا جلد از جلد اعلان کر دیا جائے، جہاں تک ضمانتوں کا تعلق ہے ہم ہر ضمانت دینے کو تیار ہیں۔

ہم تو لوگوں کے پیسوں کے امین ہیں اور یہ پیسہ جس صورت میں بھی ملک اور قوم کے لیے منافع بخش ہو سکتا ہے، ہم وہی طریقہ قبول کر لیں گے۔ ہمیں خوشی ہے کہ جناب صدر جنرل ضیاء الحق، منصوبہ بندی کے وزیر پروفیسر خورشید احمد اور حکومت کے دیگر اہل کار ہمدردانہ رویے کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے جو بھی گائیڈلائن طے کی جائیں گی، ہم انہیں بخوشی ملحوظ رکھیں گے۔

یوسی ایف بورڈ آف ڈائریکٹرز

۱۔ شاہین اختر خان

۲۔ محمد مالک چودھری

۳۔ حاجی عبدالغنی چودھری

۴۔ مسز منور گلزار

۵۔ مسز نسرین اختر چودھری

یوسی ایف کے منتظمین کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے داؤد چودھری نے کہا: "ہم بڑے بڑے ناموں کو نہیں مانتے، سیٹھوں نے اس ملک کو کیا دیا ہے۔ اس لیے ہم پروفیشنل لوگ ہیں اور یہ ثابت کر دینا چاہتے ہیں کہ پروفیشن کی ایک ایسی ٹیم جو ذہنی، انتظامی اور سرمایہ کاری کی صلاحیتوں سے مالامال ہے، بدلتے ہوئے تقاضوں پر پُورا اُتر سکتی ہے۔ ہم نئی نسل اور نئے خون کو آگے لانا چاہتے ہیں۔ ہم جدید ترین ٹریننگ کو بروئے کار لاکر ترقی اور خوشحالی کے اثرات کو وسیع کرنا چاہتے ہیں۔

موجودہ صورتِ حال میں ہر کاروباری شخص گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہے۔ ہر طرف سے یہی چیخ پکار ہے کہ کاروباری فضا سازگار نہیں، ملک سیاسی بحران سے دوچار ہے۔ مختلف علاقوں میں عدم توازن ہے۔ تذبذب اور غیر یقینی حالات کی بنا پر کوئی بڑا صنعت کار نئے کاروبار میں ہاتھ ڈالنے سے کتراتا ہے، مگر یوسی ایف کی پروفیشنل کی ٹیم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ ملک کے اندر عام آدمی نے اور بیرونِ ملک خون پسینے کی کمائی سے لوگوں نے ہمیں کاروبار کے لیے پیسہ دیا ہے۔ اگر ہم بھی حالات کے مرغ بادنما کی طرف دیکھتے رہیں اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں، تو اپنے شراکت داروں کے لیے، ملک و قوم کے لیے سب سے بڑے خائن ثابت ہوں گے، مگر ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم نے جرأت سے حالات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نئے سے نئے منصوبے شروع کیے ہیں۔ ملک بھر میں ہمارے دفاتر کام کر رہے ہیں۔ ڈیڑھ لاکھ سے اُوپر ہمارے شراکت دار ہیں۔ جائداد کی خریداری سے لے کر اسکولوں کا قیام، پرنٹنگ پریس، چاول چھڑنے، جننگ، ککنگ آئل، خام لوہا اور مستقبل میں حکومت نے اجازت دی، تو ہیوی انڈسٹری اور تیل کی صنعت میں بھی سرمایہ کاری کریں گے۔ ہم حالات کے دھارے پر بہنے کے بجائے حالات کو اپنے رُخ پر موڑیں گے اور خود ہمارا رُخ نظامِ اسلام اور وطنِ عزیز پاکستان کی طرف ہے۔ چمکتی دمکتی منزل ہمارے سامنے ہے۔ منزل کو پا لینے کی ایک بے طرح تڑپ ہمارے اندر موجود ہے۔ یہی تڑپ ہماری متاعِ عزیز ہے۔ جاں سے زیادہ عزیز اور منزل اس سے عزیز تر!

منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین اور وزیرِ منصوبہ بندی پروفیسر خورشید احمد کی یقین دہانی

"معاملہ زیرِ پڑتال ہے اور کوئی ناانصافی نہ ہوگی۔ موجودہ قوانین کے تحت آپ سرمایہ کاری ادارے کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں، لیکن بنک کی حیثیت سے نہیں۔ اگر بنکاری کی اجازت بھی لینی ہے، تو اس کے لیے بنکنگ ایکٹ میں ترمیم کرنا ہوگی۔ یہ نکتہ ابھی زیرِ غور ہے، تاہم ایک مشترکہ قابلِ عمل میمورنڈم پیش کیا جائے، جس پر اجازت دی جا سکے۔"

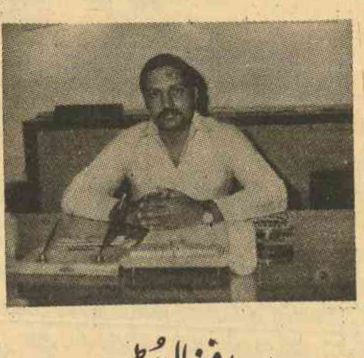

افضال بٹر

خالد باجوہ

چھوٹی چھوٹی بچتوں سے عظیم منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچیں گے

مسٹر عبدالحفیظ - جائنٹ پریذیڈنٹ، یو سی ایف

جب سے حکومت نے نجی شعبے میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی شروع کی ہے ملک بھر میں چند مالیاتی ادارے وجود میں آئے جنہوں نے لوگوں کی بچتوں کو استعمال کرنے کا عزم ظاہر کیا اور سرمایہ کاری کے لئے روپیہ فراہم اور دوسرے منصوبے چلانے کا ڈول ڈالا۔ ان میں سے کچھ اداروں نے کچھ کام کر کے بھی دکھایا اور کچھ منصوبے ان کے زیرِ تکمیل اور کچھ زیرِ تجویز ہیں۔ ان اداروں نے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے مضاربت کے اصول پر کام کرنے کے عزم کا اظہار کیا، لیکن حال ہی میں وزارتِ خزانہ نے ہدایت جاری کی ہے کہ عوام ان اداروں سے لین دین نہ کریں۔ جہاں تک اس ہدایت کا تعلق ہے اسے ایک عاجلانہ اقدام ہی کہا جائے گا جبکہ یہ ادارے رجسٹرڈ ہیں اور ان میں سے بعض نے بنکاری کے نظام کے لئے سٹیٹ بنک کے پاس دگنا زرِ ضمانت جمع کرانے اور سرکاری آڈیٹروں سے ہر تین ماہ بعد آڈٹ کرانے کی بھی پیش کش کی ہے اور اب ان اداروں کی کوئی بدعنوانی اور دھوکہ دہی بھی منظرِ عام پر نہیں آئی، جبکہ ایک طرف کئی دوسرے شعبوں میں ایسے نجی ادارے کام کر رہے ہیں جو سر بکا لوگوں کو لوٹ رہے ہیں اور ان کے خلاف وقتاً فوقتاً اخبارات میں شکایات چھپتی رہتی ہیں اور عوام کی سیاسی سماجی تنظیمیں، رہنما اور کئی دیگر لوگ اس پر تشویش کا اظہار بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہاں صرف ایسے اداروں کے ضمن میں بیرونِ ملک ملازمتیں دلانے کے لئے کام کرنے والی ریکروٹنگ ایجنسیوں کا حوالہ دینا ہی کافی ہو گا جنہوں نے بے شمار لوگوں سے روپیہ بٹورا ہے اور کئی لوگوں کو بیرونِ ملک جانے کا جھانسہ دے کر ان کی عمر بھر کی پونجی سے محروم کر دیا اور پھر انہیں بھجوایا بھی نہیں یا پھر کچھ لوگوں کو بیرونِ ملک بھیج کر ان کو در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا۔ لوگوں کو بھی پریشان کیا اور پوری قوم کو بیرونِ ملک بدنام کر دیا، لیکن حکومت نے ان کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے محض اعلانات پر ہی اکتفا کیا ہے۔ عملاً اب بھی وہی کچھ ہو رہا ہے۔ ان یا ایسے اداروں کے سلسلے میں تو اس قدر سستی اور لاپرواہی برتی جا رہی ہے اور ان نوخیز اداروں کو جو نیک عزائم کا بھی اظہار کر رہے ہیں اور حکومت کی تسلی کے لئے تحفظات اور ضمانت بھی دینے کو تیار ہیں، ختم کرنے میں اتنی جلد بازی کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔

کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ حکومت اس معاملے پر حقیقت پسندانہ طرزِ عمل اختیار کرتی اور ان کے کام کا جائزہ لے کر ان سے تحفظات اور ضمانت لے کر انہیں کام کرنے کا موقعہ دیتی تاکہ لوگ حقیقتاً سودی کاروبار کی لعنت سے چھٹکارا پا سکیں اور یہ ادارے حکومت کے بلاسود بنکاری نظام کو ترویج دینے میں نہ صرف ممد و معاون ثابت ہوں، بلکہ بلاسود بنکاری کے آغاز کا پیش خیمہ بن جائیں۔

فنانس کارپوریشنوں کا تصور کوئی نیا تصور نہیں۔ ایسے ادارے امریکہ، جاپان اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک میں موجود ہیں اور خوب کام کر رہے ہیں۔ ان کی زیرِ نگرانی کئی ادارے اور کاروبار چل رہے ہیں اور وہ اپنے حصہ داروں کو جائز منافع بھی دے رہے ہیں۔ اس لئے پاکستان میں ایسا کوئی تجربہ شروع ہوا ہے، تو تمام تر تحفظات کے ساتھ اسے کامیاب بنایا جائے۔ ہم حکومت پاکستان کی وزارتِ خزانہ اور دوسرے اربابِ بست و کشاد سے یہ عرض کریں گے کہ وہ بڑی خوشی سے اور لازماً تحقیقاتی اصول اور قوانین نافذ کر لیں، لیکن انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اگر ملک کے نجی شعبہ میں سرمایہ کاری کی کوئی صورت پیدا ہو رہی ہے، تو اس کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ علاوہ ازیں کارپوریشنوں کے ذریعے اس سرمایہ کاری سے سودی نظام کے خاتمہ کی طرف بنیادی قدم اٹھتا ہے اور سرمایہ کاری کے ذریعے ایک مقررہ منافع، یعنی سود کے بجائے آزادانہ معیشت کے نتیجے میں آمدن کے مطابق منافع تقسیم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم یہ تجویز پیش کریں گے کہ ان کارپوریشنوں کا گلا دبانے کے بجائے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

ہمارے نزدیک ان نجی مالیاتی اداروں کے بارے میں کوئی واضح اور دو ٹوک فیصلہ ہونا چاہیے۔ انہیں کام کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہے اور پھر ان کے کام میں روڑے بھی اٹکائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ ادارے اپنے دعوے کے مطابق لوگوں کی چھوٹی چھوٹی بچتوں اور مخفی سرمائے کو گردش میں لا کر مفید منصوبوں میں سرمایہ کاری کر رہے ہیں تو ان کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ ان اداروں میں اولاً بیرونِ ملک مقیم پاکستانی اپنا سرمایہ لگانا چاہتے ہیں تاکہ ملک میں نفع بخش صنعتی منصوبے شروع کر سکیں۔ ثانیاً جن لوگوں کے پاس کالا دھن ہے وہ اسے بنکوں میں جمع کرانے سے جھجکتے ہیں اور اس وقت لاکروں میں چھپائے بیٹھے ہیں ان کی بھی فطری طور پر یہی خواہش ہے کہ ان کا مخفی سرمایہ مفید منصوبوں میں لگ سکے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت دو ارب روپیہ لاکروں میں بند پڑا ہے، جسے یہ نجی مالیاتی ادارے بآسانی گردش میں لا سکتے ہیں۔ ثالثاً بہت سے لوگ اپنی چھوٹی چھوٹی بچتوں کو نفع بخش منصوبوں میں لگانے کے خواہاں ہیں اور ان کی اس خواہش کی تکمیل یہ نجی مالیاتی ادارے ہی کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں یہ امر اشد ضروری ہے کہ دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کی طرح نجی شعبے میں بھی مالیاتی اداروں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جائے، تاکہ نجی شعبے کا اعتماد بحال ہو سکے اور وہ سرمایہ کاری کے میدان میں اپنا کردار بھرپور انداز سے ادا کر سکے۔ ورنہ موجودہ غیر یقینی صورت میں نہ یہ ادارے اپنی افادیت منوا سکیں گے، نہ عام لوگ ہی پورے اعتماد کے ساتھ ان اداروں میں اپنی بچتیں جمع کرا سکیں گے۔

مالیاتی کمپنیاں

دُور دراز کے علاقوں تک

معاشی فوائد

بکھیر رہی ہیں

مسٹر قدیر حسین، اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ یو سی ایف

قومی تحویل میں آنے کے بعد کمرشل بنکوں کا نظم ونسق جس طرح ابتری کا شکار ہوا ہے اور اس سے جس انداز میں سرمایہ کاری متاثر ہوئی ہے اس کے پیش نظر ایسے اداروں کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی جو سرمایہ کاری کے فروغ میں کمرشل بنکوں کے نظم ونسق کے بگاڑ سے پیدا ہونے والی صورتِ حال کا ازالہ کر سکیں۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ فنانس کمپنیاں اس ضرورت کو بطریق احسن پورا کر رہی ہیں۔ ان کمپنیوں کے قیام سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا ہے کہ ملکی سرمایہ کا بڑے بڑے شہروں میں ارتکاز ختم ہو رہا ہے۔ ان کمپنیوں نے چھوٹے چھوٹے شہروں اور دور دراز علاقوں میں سرمایہ کاری کی پالیسی اپنا رکھی ہے جس سے ملک میں متوازن اور ہمہ جہتی ترقی کی راہیں ہموار ہوں گی اور اقتصادی ناہمواری کے خاتمہ میں مدد ملے گی۔

موجودہ حکومت نے نظامِ مصطفےٰؐ کے نفاذ کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ نظامِ مصطفےٰؐ کے سلسلے میں بلاسود بنکاری کی ترویج سب سے اہم قدم ہے۔ فنانس کمپنیوں نے اس جانب مثبت پیش رفت کر کے ایک تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ہم حکومت کو مشورہ دیں گے کہ ان کمپنیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ جہاں ملک میں بلاسود بنکاری متعارف ہو وہاں نجی سرمایہ کاری کو بھی ترقی نصیب ہو سکے۔ اس سلسلے میں ہم یہ گذارش بھی کریں گے کہ ان کمپنیوں کو پوری طرح قانونی تحفظ دے کر بنکاری کے دوسرے امور کی انجام دہی کی اجازت بھی دی جائے، تاکہ بنکوں کے مابین جذبہ مسابقت پیدا ہو اور وہ زیادہ مستعدی اور فرض شناسی سے کام کریں۔

سُود پر مبنی سرمایہ کاری نہیں چلے گی

مالیاتی اداروں نے سُود کی جڑیں اکھاڑ ڈالیں

ہماری تاریخ کے اس دَور نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ پاکستان میں سُود پر مبنی سرمایہ کاری نہیں چلے گی۔ نظامِ مصطفےٰؐ کے نفاذ کا مطلب ہی یہ ہے کہ سود کا قلع قمع کر دیا جائے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جب بنیادی انسانی حقوق کا اعلان کیا تو واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ آج سے سُود کو ختم کیا جاتا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں سود کی مطلق گنجائش نہیں۔ سود استحصال کی جڑ ہے۔ اسلام انسانوں کے استحصال کا روادار نہیں۔ اسلام معاشی ظلم سے پاک معاشرہ قائم کرتا ہے۔ جس میں کسی طبقہ کو دوسرے طبقہ کے حقوق کو غصب کرنے کی اجازت نہیں اور یہ بات اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جب کہ سُود خوری کی لعنت کو بالکل ختم کیا جائے۔

پاکستان کو معرضِ وجود میں آئے تیس برس ہو گئے۔ پاکستان ایک تصوراتی اسلامی مملکت ہے۔ جو اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آئی تاکہ مسلم عوام کو سُود خور بنیوں کے پنجۂ استبداد سے نجات دلائی جائے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہم اب تک سُود سے پاک معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے غریب عوام بدستور جہالت، بیماری اور معاشی بدحالی کا شکار رہے۔

برق رفتار مہنگائی اور ایٹمی دھماکوں کی مانند بڑھتی ہوئی آبادی نے ایسے پیچیدہ سوشل مسائل کو جنم دیا جن کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جو سُود کی لعنت سے پاک ہو۔ نظامِ مصطفےٰؐ کے نفاذ کے موقف کو ہمارے عمرانی تقاضوں نے ابھارا اور ہم مجبور ہو گئے کہ ہم بلاسُود بنک کاری کو عملی جامہ پہنائیں۔

ان اداروں نے ثابت کر دیا ہے کہ بلاسُود سرمایہ کاری قابلِ عمل تصور ہے جس سے ہم اپنے ترقی پذیر ملک میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

یو سی ایف کے مسٹر جاوید منظور چودھری برسائل آفیسر

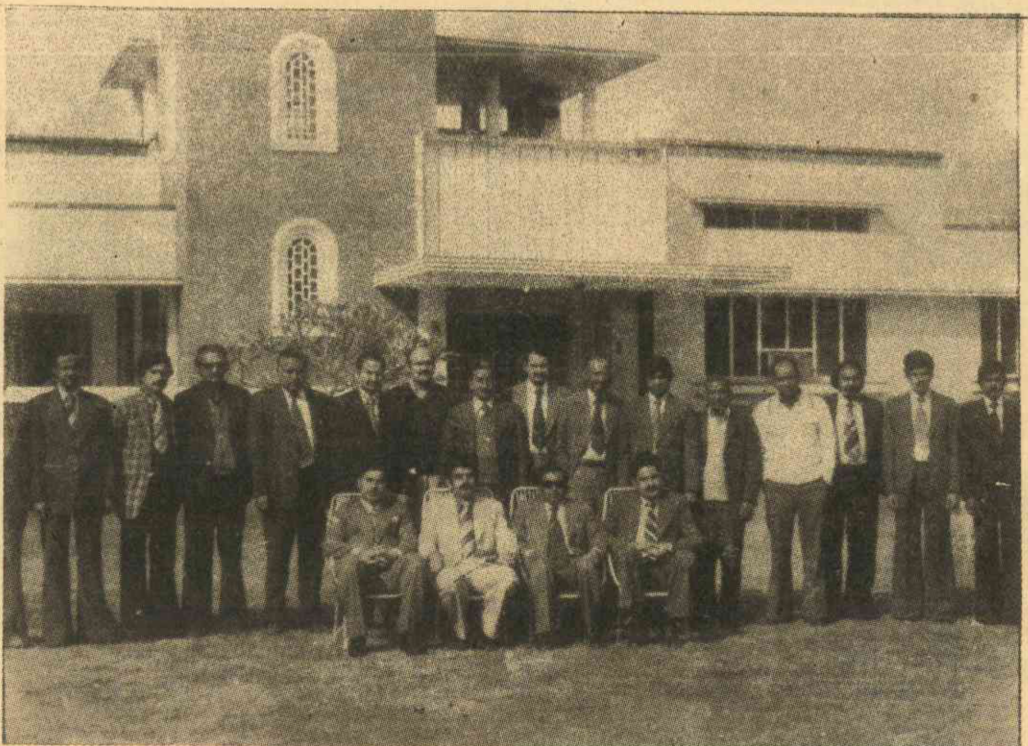

کرسیوں پر (دائیں سے بائیں) گلزار ظفر بیگ، جائنٹ پریذیڈنٹ — اے مجید میاں، جائنٹ پریذیڈنٹ — داؤد احمد چودھری، پریذیڈنٹ — عبدالحفیظ، جائنٹ پریذیڈنٹ

ایستادہ (دائیں سے بائیں، تیسرے نمبر پر) جی ایم رامے — جاوید منظور، پرسانل ممبر — ظفر اقبال، ممبر — عبدالحلیم، آفیسر — انیس الدین حیدر، وائس پریذیڈنٹ — قدیر حسین، اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ — خواجہ محمد اشرف، لیگل ایڈوائزر

خالد محمود باجوہ، وائس پریذیڈنٹ — غضنفر علی مرزا، وائس پریذیڈنٹ — احمد دین چودھری، چیف اکاؤنٹنٹ — جاوید اختر، بہاولپور زون

نجی مالیاتی ادارے

سوشلزم کا راستہ روکیں گے

۱۹۷۸ء کے اختتام پر جو معاشی جائزے سامنے آئے ہیں، ان سے انتہائی اندوہناک صورتِ حال کا نقشہ ابھرتا ہے۔ اس برس کے دوران میں پیداواری عمل پر جمود کی کیفیت طاری رہی اور زراعت اور صنعت جیسے بنیادی شعبے متاثر ہوئے۔ عام آدمی اشیائے ضروریہ کی اونچی قیمتوں کے گرداب میں پھنسا رہا اور افراطِ زر میں بھی اضافہ ہوا۔ ظاہر ہے کہ سرکاری شعبے نے اصلاحِ احوال کے لیے زیادہ نمایاں کارکردگی نہیں دکھائی۔ پی آئی سی سی، آئی ڈی بی پی جیسے اداروں نے بھی اس برس سرمایہ کاری نہیں کی۔

دوسری طرف اس عرصے میں چند ایک نجی مالیاتی ادارے وجود میں آئے۔ بیوروکریسی کی طرف سے پیدا کردہ بعض مشکلات کے باوجود یہ ادارے بڑی تیزی سے پھلے پھولے۔ ان مالی اداروں کی انتظامیہ کے مطابق انہوں نے مختصر مدت میں دس بارہ کروڑ روپے کی حقیقی سرمایہ کاری کر کے افراطِ زر پر قابو پانے میں مدد دی ہے۔ یہ وہ رقم تھی جو کالے دھن کی صورت میں لوگوں کی تجوریوں میں پڑی ہوئی تھی اور اگر سرمایہ کاری کے لیے اسے استعمال نہ کیا جاتا، تو لازماً یہ غیر ضروری خریداری پر صرف ہوتی اور قیمتوں کو مزید بڑھانے کا موجب بنتی۔

بلاسود کاروبار کا آغاز کر کے نجی مالیاتی اداروں نے اسلامی معاشی نظام کے نفاذ کی راہ ہموار کرنے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ سرکاری سطح پر ابھی بلاسود بنکاری کے منصوبے ہی بن رہے ہیں، مگر مالیاتی اداروں نے ان کے بقول اسے پہلے ہی حقیقتاً ایک قابلِ عمل منصوبہ پیش کر دکھایا ہے۔ اس وقت بنکاری کا جو نظام رائج ہے، اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی بنکوں میں بلاسود بنکاری کو رواج دینے میں دیر لگے گی۔

نجی مالیاتی اداروں کی سرمایہ کاری کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ مالیاتی ادارے جس علاقے سے سرمایہ اکٹھا کرتے ہیں، وہیں ان کی طرف سے سرمایہ کاری کے منصوبے پروان چڑھتے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہے کہ کسی بھی علاقے کو یہ شکایت نہیں ہوتی کہ اس کا سرمایہ کہیں اور منتقل کر دیا گیا ہے۔ دوسرے اس علاقے کی پسماندگی کو خوشحالی کی راہ پر گامزن کر دیا جاتا ہے۔ تیسرے ان علاقوں کے احساسِ محرومی کے ختم ہونے میں مدد ملتی ہے اور یہ ایسا کام ہے جو سوشلزم کا راستہ روکنے کا ذریعہ بنے گا۔

بیرونی ممالک میں پاکستانیوں کی محنتِ شاقہ سے کمایا ہوا قیمتی زرِ مبادلہ وطن واپس لانے اور اسے دوررس معاشی منصوبوں میں لگا کر نجی مالیاتی اداروں نے اپنا کردار ادا کیا ہے اور ایک اندازے کے مطابق ملک کے طول و عرض میں تین ہزار افراد کو روزگار فراہم کیا گیا ہے۔

یہ سارے کام ایسے نہیں کہ ان سے بآسانی اغماض برتا جا سکے۔ نجی مالیاتی اداروں نے بڑی مختصر مدت میں اپنے وجود کا ایک نئے انداز سے احساس دلایا ہے۔

حکومت کی طرف سے بار بار نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے اعلانات جاری ہوتے رہتے ہیں۔ نجی شعبے کو کام کرنے کے لیے مناسب ماحول مہیا کرنا ازبس ضروری ہے۔ اگر حکومت کی طرف سے لوگوں کے سرمائے کے تحفظ کے لیے چند ایک پابندیاں بھی عائد کر دی جائیں، تو نجی مالیاتی اداروں کو ناگوار نہ گزریں گی، کیونکہ وہ ہر پابندی اور شرط قبول کرنے کا اعلان کر چکے ہیں، ان کے سہ ماہی یا سالانہ حسابات کی پڑتال کی جا سکتی ہے۔ بدلتے ہوئے معاشی حالات کا تقاضا ہے کہ حکومت ایک جامع اور مربوط پالیسی کا اعلان کرے جس کے اندر رہتے ہوئے نجی مالیاتی ادارے مطمئن ہو کر اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ سرکاری شعبہ اگر خود کچھ نہیں کرنا چاہتا، تو نجی شعبے کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی ضروری ہے۔

یوسی ایف کا تنظیمی ڈھانچہ

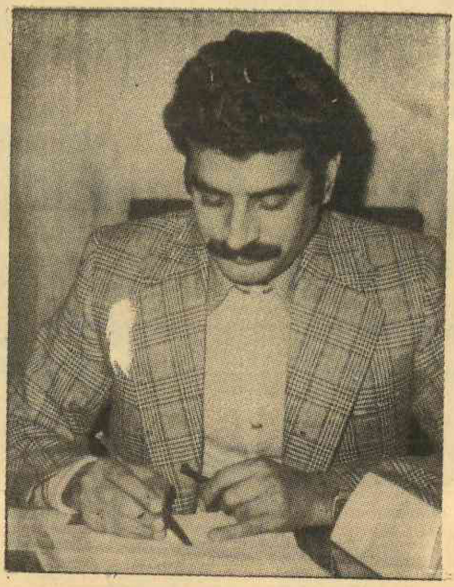

پریذیڈنٹ

داؤد احمد چودھری

جائنٹ پریذیڈنٹ

۱۔ عبدالحفیظ۔ انسپکشن

۲۔ اے مجید میاں۔ سیالکوٹ

۳۔ ایم افضال بٹر۔ لاہور۔ شیخوپورہ

۴۔ گلزار بیگ۔ گجرات۔ راولپنڈی۔ آزاد کشمیر

وائس پریذیڈنٹ

۱۔ غضنفر علی مرزا۔ انوسٹمنٹ سیل

۲۔ خالد محمود باجوہ۔ اسٹیٹ آفیسر

۳۔ اشفاق رشید۔ لائل پور۔ جھنگ

۴۔ چودھری مجید اطہر۔ بہاولنگر

۵۔ نجم الحسن جعفری۔ ملتان

۶۔ خواجہ محمد اشرف۔ لیگل ایڈوائزر

۷۔ انیس الدین حیدر۔ گوجرانوالہ۔ بی زون

اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ

۱۔ قدیر حسین، انسپکشن لاہور

۲۔ ریاض باجوہ، گوجرانوالہ زون اے

۳۔ فرخ حسین، رحیم یار خاں

۴۔ جاوید اکبر خاں، پی اے ٹو پریذیڈنٹ

۵۔ جاوید اختر، بہاولپور

۶۔ عطاء اللہ چودھری، سرگودھا

۷۔ خالد علی میر، ساہیوال

۸۔ رائے صغیر، وہاڑی

۹۔ اقبال حسین قریشی، انسپکشن۔ ملتان۔ بہاولپور۔ رحیم یار خاں۔ وہاڑی۔ بہاولنگر۔ ساہیوال

۱۰۔ رشید صدیقی، قصور

ظہیر احمد باجوہ۔ پراجیکٹ مینجر۔ اسکول۔

پاکستان فاؤنڈیشن اسکول

یوسی ایف کا عظیم تعلیمی منصوبہ

یونائیٹڈ کمرشل فنانس کے زیرِ اہتمام "پاکستان فاؤنڈیشن اسکول" کے نام سے ملک بھر میں مثالی معیاری تعلیمی اداروں کا جال پھیلایا جا رہا ہے۔ پہلا ماڈل سکول ظفر علی روڈ کے کنارے کھل چکا ہے اور مسز ستنام محمود کی پرنسپل شپ میں نوخیز نسل کی ملکی اقدار کے مطابق عملی تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

پیشِ نظر مقاصد

۱۔ طلبہ میں پاکستان سے محبت اور افتخار کا جذبہ پیدا کیا جائے گا۔
۲۔ شہریوں کے کردار اور قومی تقاضوں کا شعور بیدار کیا جائے گا۔
۳۔ فرد کے حقوق و فرائض کا احساس دلوں میں جاگزیں کرایا جائے گا۔
۴۔ طلبہ کی ذہنی، اخلاقی اور معاشرتی نشوونما کی جائے گی۔
۵۔ مخصوص سرگرمیوں اور تجربات کے ذریعے ذہانت کو جلا بخشی جائیگی۔

اسٹاف

پرنسپل:۔ ڈاکٹر مسز ستنام محمود بی اے بی ٹی (پنجاب) فروبل ڈپلوما (لندن)، سینیئر اسپیشلسٹ (ایسٹ ویسٹ سنٹر۔ ہوائی)

خصوصی سرگرمیاں

- والدین اور بالغوں کے لئے مشاغل کی کلاس۔
- طلبہ کے لئے سمر اسکول۔
- انتظامیہ کی نگرانی میں کنٹین۔
- بچوں کا تھیٹر۔

تین سال کے بچوں کو داخل کیا جاتا ہے۔
۶۔ بچے کی ترقی کے لئے والدین کو بھی برابر کے طور پر سرگرم رکھا جائے گا۔

نصاب کے نمایاں پہلو

۱۔ نظریاتی اور عملی مذہبی تعلیم۔
۲۔ اردو اور انگریزی کا اعلیٰ معیار تعلیم۔
۳۔ نصاب کے باہر آموزش کے جدید طریقے۔
۴۔ ذہنی اور نفسیاتی ٹیسٹ۔
۵۔ باقاعدہ طبی معائنہ۔
۶۔ والدین کے لئے بچے کی سہ ماہی تعلیمی رپورٹ۔

مالیاتی کمپنیوں کو خوش آمدید کہیے!

لاہور اسٹاک ایکسچینج کے نئے صدر جناب بشیر اے بخش کی رائے

نجی مالیاتی کمپنیاں ملک میں سرمایہ کاری کی فضا کو سنوارنے میں قابلِ قدر فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے انہیں خوش آمدید کہنا چاہیئے۔ حکومت ان کی حدودِ کار متعین کر دے تاکہ نجی شعبہ اپنا صحیح کردار ادا کر سکے۔ نجی مالیاتی کمپنیوں کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ قومی تحویل میں لینے کے بعد بنکوں کی کارکردگی گھٹ گئی تھی، اب سرمایہ کار کمپنیوں کی وجہ سے بنکوں کو بھی ایفی شینسی دکھانا پڑے گی۔

اسلامی نظام اپنانا ہے، تو

نئے مالیاتی ادارے وقت کا اہم تقاضا ہیں

سیّد نزہت بخاری کے قلم سے

ایک مالیاتی ادارہ آسان ترین اصطلاح میں مالی اثاثوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس میں سرمایہ کاری کے فوائد کے حصول میں حصص کے مالکان بھی شریک ہیں۔ ان حصص کو اس قسم کے ادارے میں جو بے پناہ تحفظ حاصل ہے، وہ مذکورہ بالا اثاثوں میں براہ راست سرمایہ کاری سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اثاثوں کے اس مجموعے کا حجم جتنا بڑھے گا، اتنا ہی اضافہ ان کی اقتصادی قوت میں بھی ہوگا۔ ان دنوں بعض حلقوں کا یہ بیان ہے کہ جہاں تک مالی فنڈ اکٹھے کرنے اور انہیں پیداواری اور ترقیاتی منصوبوں میں لگانے کے کام کا تعلق ہے، کمرشل بینکاری کا نظام اسے بطریقِ احسن انجام دینے میں پوری طرح کامیاب نہیں رہا اور یہ بیان بہت حد تک درست ہے۔

یہی وجہ ہے کہ کمرشل بینکاری کے متبادل کے طور پر دُنیا بھر کے تمام ملکوں میں "نیم بینکاری" یا "غیر بینکاری" یا "تھرفٹ" کی نوعیت کے مالیاتی ادارے بھی معرضِ وجود میں آئے ہیں، جو بڑی تیزی سے اقتصادی شعبے میں اہم حیثیت حاصل کر رہے ہیں۔ جہاں تک تھرفٹ قسم کے اداروں کا تعلق ہے، وہ روپیہ بچانے کے خواہشمند بڑے طبقوں کو اپنا سرمایہ جمع کرانے میں مدد دیتے ہیں اور یہی سرمایہ انہی اداروں کے توسط سے پیداواری مالیاتی منصوبوں میں لگایا جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ روپیہ جمع کرانے والا جب چاہے، روپیہ جمع کرا سکتا ہے اور جب چاہے بآسانی نکلوا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ روپیہ جمع کرانے کا معقول معاوضہ حاصل کرنے کے لیے بھی پُر امید رہتا ہے۔ روپیہ بچانے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف سرمایہ کاری کے صلے میں کچھ حاصل کرے گا، بلکہ کسی بھی ہنگامی ضرورت سے نمٹنے کے لیے اپنا بچایا ہوا روپیہ اسے فوراً نکلوانے کی آسانی بھی رہے گی۔ ایک ماہر کے مطابق ایک نیم بنک ایسا مالیاتی ادارہ ہے کہ جو اپنی ضروریات کا بیشتر حصّہ ایسے ذرائع سے حاصل کرتا ہے کہ جو کمرشل بینکوں کے سیونگز ڈپازٹ سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیم بنک گھریلو بچتوں کے حصول میں نہ صرف آپس میں، بلکہ عام کمرشل بنکوں کے ساتھ بھی نہایت سرگرمی سے مقابلہ کرتے ہیں۔

امریکہ میں غیر بینکار یا نیم بینکار اداروں کو بے پناہ فروغ مل چکا ہے اور اگر ہم صرف اسی ایک میں ۱۹۷۵ء کے آخر تک بینکار اور غیر بینکار اداروں کے اثاثوں کا جائزہ لیں، تو بڑی دل چسپ صورتِ حال سامنے آئے گی۔ اس تجزیے سے معلوم ہو گا کہ اس قسم کے مالیاتی اداروں کی ملک کی اقتصادی زندگی میں زبردست اہمیت ہے، بلکہ محفوظ اثاثوں کے اعتبار سے غیر بینکار مالیاتی ادارے کمرشل بینکوں سے زیادہ وسیع پیمانے اور منافع بخش طریقے پر کاروبار کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں امریکی حکومت نے ۱۹۷۵ء کے آخر تک جو اعداد و شمار جاری کیے وہ ملاحظہ فرمائیے:

	ارب ڈالر
کمرشل بنکوں کے مجموعی اثاثے	۸۷۵
بچت اور قرضے کی انجمنوں کے اثاثے	۳۴۰
زندگی کے بیمے کے اثاثے	۲۸۰
پرائیویٹ غیر بیمہ شدہ پنشن فنڈ کے اثاثے	۱۵۰
میوچل سیونگ بنکوں کے اثاثے	۱۲۰
سٹیٹ اینڈ لوکل گورنمنٹ ڈیپارٹمنٹ کے اثاثے	۹۵
جائداد اور اتفاقی بیمے کی کمپنیوں کے اثاثے	۸۰
میوچل فنڈ کے اثاثے	۵۵
کریڈیٹ یونینز کے اثاثے	۳۵

اگرچہ مندرجہ بالا اعداد و شمار کے مطابق مالیاتی اداروں میں سے کمرشل بینکوں کے اثاثے سب سے زیادہ ہیں، لیکن لطف یہ ہے کہ ۲۱۳۵ ارب ڈالر اثاثوں کا صرف ۴۰ فیصد ان بنکوں کے پاس ہے، جبکہ ۶۰ فی صد حصّہ غیر بینکاروں کے پاس ہے۔ اس بات سے کسی ملک کی معاشی زندگی میں نہ صرف نیم بنک مالیاتی اداروں کی ضرورت، بلکہ ان کی عملی افادیت بھی اظہر من الشمس ہے۔ تمام مالیاتی اداروں کے فرائض خاصی حد تک ملتے جُلتے ہیں، لیکن ان میں بہت بڑا فرق بھی ہے۔ بچت اور قرضے کی انجمنوں اور میوچل بنکوں کے طریقِ کار میں بہت ہی معمولی فرق ہے۔ ہر دو ادارے کمرشل بنکوں سے اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ اصولاً ادائیگی کے لیے چیک کا ذریعہ استعمال نہیں کرتے، تاہم گذشتہ چند سالوں کے دوران میں ان اداروں نے بھی ایسے احکامِ ادائیگی جاری کرنے شروع کر دیئے ہیں کہ جو ادائیگی بذریعہ چیک کے طریقِ کار سے چنداں مختلف نہیں۔

علاوہ ازیں مستقبل قریب ہی میں وفاقی اور ریاستی قوانین میں اس قسم کی تبدیلیاں متوقع ہیں کہ جن کی بنا پر بچت اور قرضے کی انجمنیں اور میوچل بنک بھی عام کمرشل بنکوں کی طرح ادائیگی بذریعہ چیک کا طریقۂ کار اپنا سکیں۔ اس قانون کے نفاذ سے کمرشل بنکوں اور غیر بنک کار مالیاتی اداروں میں تمیز کرنا مشکل ہو جائیگا۔

اس کے برعکس کمرشل فنانس کمپنیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بنکوں اور دوسرے قرضہ دہندہ اداروں سے کم شرحِ سُود پر قرضے حاصل کر سکتی ہیں اور پھر ایسے وسائل تک رسائی نہ رکھنے والی کمپنیوں کو زیادہ شرح سود پر قرضہ دے سکتی ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق بڑی فنانس کمپنیوں کے وسائل کا نصف سے ایک تہائی تک حصّہ بنکوں سے بطورِ قرض لیا ہوتا ہے، جبکہ مزید ایک چوتھائی سے ایک تہائی تک حصّہ تمسّکات کی صورت میں ہوتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں تو بعض فنانس کمپنیاں بالکل بینکوں، سرمایہ کاری ٹرسٹوں اور انشورنس کمپنیوں کی طرح ہی کاروبار کر رہی ہیں۔ وہاں پچاس کے قریب فنانس کمپنیاں ہیں۔ جن میں سے کم از کم دس کمپنیاں ڈپازٹ لیتی ہیں۔ بعض دوسرے ملکوں مثلاً ہانگ کانگ میں فنانس کمپنیاں کمرشل بینکوں کا ذیلی ادارہ بن کر کام کر رہی ہیں۔ مثلاً "وے فونگ فنانس" جو ہانگ کانگ بینک کا ذیلی ادارہ ہے۔

اس تجزیئے سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مالیاتی اداروں خواہ بینکار ہوں یا غیر بینکار کا وجود اس دَور کی اہم ضرورت ہے جو ضمانت شدہ معاوضے پر انحصار نہیں کرتے، بلکہ سرمایہ ہی نفع میں حصّے کی بُنیاد پر لگاتے ہیں۔ ہمارے بینکوں کو تو ہمیشہ یہ اطمینان رہتا ہے کہ انہیں ہر صُورت میں مقرّرہ شرحِ سُود کا تحفّظ حاصل ہے۔ تاہم ان حالات میں اگر نئی فنانس کمپنیاں بلاسود بینکاری کو فروغ دیتی ہیں، تو وہ پوری قوم کو تقویت دیتی ہیں۔

بے شک جدید اقتصادی نظریئے کے ضمن میں ان مالیاتی اداروں کو تحفظ تو نہیں مل سکے گا کہ جو منافع کی ضمانت نہ دینے والے منصوبوں میں اکاؤنٹ ہولڈروں کے اثاثے کو سرمایہ کاری میں استعمال کرتے ہوں، لیکن اگر ہمیں روزمرّہ زندگی کے کاروبار میں اسلامی نظام کو اپنانا ہے، تو مذکورہ بالا نوعیت کے نئے مالیاتی اداروں کو رواج دینا اس دَور کا اہم تقاضا ہے۔ ●●

برداشت نہیں کر سکتے۔ جمہوریت کا پہلا سبق بھی یہی ہے کہ ہر شخص کے اعتقدات کا احترام کیا جائے اور انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ طبقہ علماء کے بارے میں مسٹر رامے کی نفرت ڈھکی چھپی نہیں اور وہ تھیاکریسی اور ملائیت کا نام لے لے کر علماء کو اکثر طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے رہتے ہیں، لیکن نماز اور وضو کے شعائر صرف طبقہ علماء کی میراث نہیں ہیں، بلکہ ہر مسلمان ان شعائر پر کاربند ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ یہ درست ہے کہ سُستی یا غفلت کی بناء پر بہت سے لوگ ان شعائر کا پورا پورا حق ادا نہیں کر سکتے اور اپنی اس کوتاہی پر ندامت کا اظہار بھی کرتے ہیں، لیکن وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص اُٹھ کر ان شعائر کو تضحیک کا نشانہ بنانے لگے ——

"انقلابی اسلام" کے نام پر خدا و رسولؐ کی تعلیمات کا مذاق اُڑانے لگے اور مسلمانوں کو "وڈوانی" کے طعنے دینے لگے۔ یہ درست ہے کہ اسلام صرف عبادات اور تعزیرات ہی کا نام نہیں، بلکہ معاشرتی اور سیاسی عدل بھی اس کے اہم اجزا ہیں اور ان کی یہ بات بھی بجا ہے کہ نماز پڑھنے پڑھانے کے علاوہ ضلعی افسر یہ بھی دیکھا کریں کہ ان کے ضلعے کے کتنے لوگ بھوکے اور نادار ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی عبادات اور تعزیرات کو سیاسی کھلنڈروں کے لیے فٹ بال بنا دیا جائے۔ ہمیں افسوس ہے کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے جناب حنیف رامے نے عوامی اشتعال کو دعوت دی اور جب ردِّعمل کے طور پر لاہور میں چند ہتھ چھٹ نوجوانوں نے ان کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی اور ان کی تصویر کی بے حرمتی کی، تو انہوں نے پریس کانفرنس میں بڑے فخر سے اعلان کیا کہ وہ غنڈہ گردی کا جواب غنڈہ گردی سے دینے پر قادر ہیں۔ یہ لب و لہجہ آمریت کی راہ تو ضرور ہموار کر سکتا ہے، لیکن جمہوریت کی نشو نما نہیں کر سکتا۔

اپنی پریس کانفرنس میں مسٹر حنیف رامے حسبِ دستور جماعتِ اسلامی اور اس کے بانی مولانا مودودی پر خوب برسے۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں جب بھی ایک ایسے مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کی بات کی جاتی ہے، جس میں سیاسی اور معاشرتی عدل پر زور دیا گیا ہو، تو ایسے مطالبات کی راہ روکنے کے لیے جو عناصر سامنے آتے ہیں ان کی قیادت جماعتِ اسلامی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ قائدِ اعظمؒ نے اسلام کے نام پر پاکستان بنایا تھا، اب مولانا مودودی کی جماعت اسلام ہی کے نام پر پاکستان کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ یہ ایک طُرفہ تماشا ہے کہ وطنِ عزیز میں جو شخص بھی اسلام کو گالی دینا چاہتا ہے، وہ جماعتِ اسلامی کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ ہم اس بات کے دعویدار نہیں کہ جماعتِ اسلامی ہر خطا و نسیان سے پاک ہے اور اس میں شامل سبھی لوگ فرشتے ہیں، لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ آپ کھُل کر اسلام کی مخالفت کرنے کے بجائے اس بات کی دہائی دینے لگیں کہ پاکستان میں اسلام کے نام پر مودودیت رائج کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس ملک کو اسلامی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ بنانے کی داعی صرف جماعتِ اسلامی ہی نہیں اور بہت سی جماعتیں بھی ہیں، لیکن اسلام بیزار عناصر اپنی تنقید کا ہدف ہمیشہ جماعتِ اسلامی ہی کو بناتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ مسٹر حنیف رامے کی سوشلزم سے توبہ واقعی توبۃ النصوح تھی اور بھٹو مظالم نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں، لیکن قرائن بتا رہے ہیں کہ مسلم لیگ میں دو مرتبہ شمولیت اختیار کرنے کے باوجود ان پر آج بھی پیپلز پارٹی کا رنگ غالب ہے اور وہ اس ملک میں ویسا ہی "انقلابی اسلام" لانا چاہتے ہیں، جیسا مسٹر بھٹو لانا چاہتے تھے اور وہ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کتے کو نہیں ماسکو کو جاتی ہے۔

●●

عید میلاد کے "جشن" پر ذاتی محاسبہ بھی کیجئے!

وفاقی کابینہ نے ۱۲ ربیع الاول کو پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یومِ ولادت شایانِ شان طور پر منانے کے جس جامع پروگرام کی منظوری دی ہے، ایک پریس کانفرنس میں اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مذہبی امور کے وفاقی وزیر نوابزادہ افتخار احمد انصاری نے بتایا کہ اس مبارک دن کا آغاز وفاقی اور صوبائی دار الحکومتوں میں توپوں کی سلامی سے کیا جائے گا اور اس روز ہر بڑے شہر میں ممتاز رہنماؤں کی قیادت میں جلوس نکالے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس روز تمام سرکاری اور نیم سرکاری عمارتوں پر پاکستانی پرچم لہرایا جائے گا اور سرکاری اور نجی عمارتوں پر چراغاں کیا جائے گا۔ اس سہ روزہ پروگرام میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر تقریریں بھی ہوں گی اور حسنِ قرأت کے مقابلے بھی منعقد کئے جائیں گے۔ یہ سب چیزیں تو پہلے بھی ہوتی رہی ہیں، لیکن وفاقی وزیر برائے امورِ مذہبی کے مطابق اس سال بارہ ربیع الاول کے مبارک روز صدر جنرل ضیاء الحق شرعی حدود اور اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان بھی کریں گے۔

ہمیں عید میلاد واقعی شایانِ شان طریقے سے منانی چاہیئے، لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا توپوں کی سلامی سے دن کا آغاز "شایانِ شان" ہے یا رات کو چراغاں کرنے سے، قوالی کی محفلیں منعقد کرنے اور جلسوں میں دھواں دھار تقریریں کرنے سے "شایانِ شان" کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں؟ یہ سب کچھ تو پہلے سے ہو رہا ہے، بلکہ "اسلام ہمارا دین ہے" کا نعرہ لگانے والی پیپلز پارٹی کی حکومت تو اس سے بھی زیادہ "شایانِ شان" طریقے سے یہ دن منایا کرتی تھی، لیکن متعدد شایانِ شان دن منانے کے باوجود نہ اعیانِ حکومت کی زندگی تبدیل ہوئی نہ قوم کی۔ قرطاسِ ابیض نامۂ اعمال کی صورت میں ہم سب کے سامنے ہے، جس میں نہ صرف مسٹر بھٹو کی "عیاشیوں" کا حال رقم ہے، بلکہ سیرت کانفرنسیں منعقد کرنے والے مذہبی امور کے وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی کے "حسنِ کردار" کی جھلکیاں بھی نظر آجاتی ہیں، جنہوں نے حج ویلفیئر فنڈ جیسی مقدس رقم کو بھی نہ بخشا۔ ظاہر ہے کہ جب سربراہانِ قوم کے حسنِ نیت کا یہ حال ہو تو خود قوم کا کیا حال ہو گا، لہٰذا ہر طرف لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے، رشوت کا بازار گرم ہے اور ہم باقاعدگی سے عید میلاد بھی مناتے رہتے ہیں، ہم سیرت النبیؐ پر تقریریں بھی کرتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بوریہ نشینی کے واقعات بھی بیان کرتے ہیں اور اندر ہی اندر حج ویلفیئر فنڈ خورد برد کر کے ایئر کنڈیشنر بھی منگواتے رہتے ہیں۔

کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ ہر سال عید میلاد النبیؐ مناتے وقت ہم پچھلے سال کا جائزہ لیں اور یہ دیکھیں کہ قومی لحاظ سے ہم کس قدر بلند یا پست ہوئے ہیں۔ ہم میں اتحاد اور یگانگت کے جذبات بڑھے ہیں یا انتشار میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ ہمارا اخلاقی معیار بلند ہوا ہے یا اور زیادہ نیچے کو آگیا ہے۔ جب تک ہم اس بے لاگ تجزیے کا اہتمام نہیں کریں گے، ہماری حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو گی۔ اس لیے ہمارے نزدیک شایانِ شان طریقے سے عید میلاد منانے کا تقاضا یہی ہے کہ ہم دیکھیں کہ ہم بحیثیت قوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر قریب ہوئے ہیں یا اور زیادہ دُور ہو گئے ہیں۔

عید میلاد کو شایانِ شان طریقے سے منانے کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ ہم خلوص کے ساتھ اپنی سابقہ کوتاہیوں کا اعتراف اور آئندہ را احتیاط کا اہتمام کریں۔ یہ امر خوش آئند ہے کہ امسال بارہ ربیع الاوّل کے مبارک دن شرعی حدود اور اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کیا جائے گا۔ خدا کرے کہ ہمارے عوام اور حکمران خلوص کے ساتھ اسلامی نظام کی بنیاد رکھیں اور شخصی اور اجتماعی زندگی کو ریاکاری اور نفاق سے پاک کرنے کی کوشش کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ کردار و عمل میں ہم خلقِ محمدی کو اپنا رہبر بنائیں اور سیاسی اور معاشرتی زندگی میں "بمصطفٰےؐ برساں خویش را" کی کوشش کریں۔

●●

عامرہ مجید مفتی

کمبوڈیا

روسی جارحیت کا نیا شکار

"کمبوڈیا پر ویٹ نام نے قبضہ کر لیا"۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو کمبوڈیا ریڈیو نے اس خبر کا اعلان کر کے پوری دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔

ویت نام اور کمبوڈیا کے درمیان ۱۹۷۳ء کے شروع سے معمولی قسم کی سرحدی جھڑپوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان جھڑپوں میں اس قدر شدت پیدا ہوئی کہ ویت نام اور چین کی فوجوں کو باقاعدہ طور پر ایک دوسرے کے خلاف مورچے سنبھالنا پڑے۔ کچھ عرصے کے بعد ان اختلافات کے شعلے سرد ہوتے دکھائی دیئے، مگر ان کی تہہ میں چنگاریاں ابھی سلگ رہی تھیں۔ ۱۹۷۸ء میں ویٹ نام کے اپنے ہی چینی باشندوں کا مسئلہ اس سانحے کا المناک باب بن گیا۔ اس مرتبہ یہ شعلے کچھ اس انداز سے لپکے کہ دس دنوں کے قلیل عرصے میں ویت نام نے کمبوڈیا کے بڑے حصے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

مغربی ذرائع کا کہنا ہے کہ کمبوڈیا کی فوجوں نے کرسمس کے دن سے ہی جنوب مشرقی سرحدوں کی طرف نقل و حرکت شروع کر دی تھی۔ دوسری طرف ویت نام کی فوجوں نے ہنوئی کے زیرِ قیادت سب سے بڑی سپلائی لائن کمپونگ سن کو کاٹ دیا اور اپنی دو ڈویژن فوج سے جو کہ اس نے کیمپیوٹ میں پہلے سے ہی اسی مقصد کے لئے تیار کر رکھی تھی۔ کمبوڈیا کے دار الحکومت نوم پنہ پر چڑھائی کر کے سب سے بڑی ریلوے لائن پر قبضہ کر لیا۔

مغربی ذرائع کی ایک اور اطلاع کے مطابق ویت نام کی طرف سے اس جنگ میں زبردست ہوائی حملے ہوئے جس میں ۳۷-۵،A-F اور ۱۳۰-C کے طیاروں کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ ویت نام کی افواج نے رٹاناکری کے صوبے ویکیولنسائی اور میکانگ کے آر پار جس میں کیراٹائی اور کمبوڈیا کا مشرقی علاقہ شامل ہے، پر زبردست بمباری کی، جس سے یہ علاقہ کافی حد تک تباہ ہو گیا۔ اس طرح اس نے کمبوڈیا کے ایک چوتھائی حصے پر مکمل قبضہ کر لیا، جب رٹاناکری اور کراٹائی مکمل طور پر ویت نام کے قبضے میں چلے گئے، تو نوم پنہ کی طاقت دھمکیوں کا شکار ہو کر رہ گئی اور اس کی سالمیت تباہی کی بپھری ہوئی لہروں میں غوطے کھانے لگی۔

کمبوڈیا کا ۵۵ ٪ رقبہ جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس لئے جنگی ماہرین کا خیال تھا کہ اس صورت حال کے پیشِ نظر ویت نامی فوجیں سست رفتاری سے پیش قدمی کر سکیں گی اور زیادہ سے زیادہ میکانگ تک ہی پہنچ سکیں گی، مگر ویت نامی فوج جس سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے نوم پنہ اور دوسرے اہم شہروں تک پہنچ گئی اس سے کمبوڈیا کی حکومت پریشان کن حد تک لرز گئی۔ حکومتِ کمبوڈیا نے اس خطرناک صورت کو بھانپ کر عالمی رائے عامہ سے اس جنگ کو بند کرانے کی اپیل کی —— لیکن دنیا کی چوہدری طاقتوں کا ضمیر اس ننگی اور کھلی جارحیت پر بھی بیدار نہ ہو سکا۔

ویت نام روس کا حلیف ہے، جب کہ کمبوڈیا چین کے ساتھ دوستی کا دعوای کرتا ہے۔ اس حوالے سے چین کی فوجیں ویت نام کی سرحدوں یونن اور کورنگسی پر کسی بھی خطرے سے نمٹنے کے لئے چوکس رکھی گئیں۔ دوسری طرف چین اور امریکہ تعلقات کی بناء پر امریکہ نے بھی چین کا حلیف بنتے ہوئے کمبوڈیا کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔

چین نے بھی امریکہ سے اپنے نئے تعلقات کی بناء پر تائیوان کی سرحدوں پر اپنی فوجوں کو لاکھڑا کر دیا۔ چین نے امریکی بوئنگ طیارہ نوم پنہ روانہ کیا، جس کے ذریعے سہانوک اور اس کے بیوی بچوں کو چین پہنچایا گیا۔ مسٹر سہانوک نے چین کے نائب وزیر اعظم تنگ سیاؤ پنگ سے اپیل کی کہ اس مسئلہ کو اقوامِ متحدہ میں پیش کیا جائے۔

امریکہ کے ایک اخبار نویس نے اس جارحیت کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ہم ہر قیمت پر انسانی حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں، دنیا کے کسی بھی اصول کے تحت اس حملے کو ہرگز جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ رومانیہ نے بھی سخت الفاظ میں اس حملے کی مذمت کی۔ اس نے کہا کہ کسی بھی ملک کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کمبوڈیا کے خلاف طاقت استعمال کرے۔ دوسری طرف روس، افغانستان اور بلغاریہ وغیرہ نے اس حملے کو درست اقدام کہا۔

کمبوڈیا پر ویت نام نے جس بھیانک جارحیت کا ارتکاب کیا اور بعض ممالک نے جس گرم جوشی سے اس اقدام کو سراہا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جنگ چین اور روس کے مابین تھی، اس میں جس وحشت کے ساتھ کمبوڈیا کے عوام کو بربریت کا نشانہ بننا پڑا، اب یہ کوئی سربستہ راز نہیں رہا۔

اس حملے کے پس منظر کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ماضی کے حوالے سے کمبوڈیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔

چین نے ۳۰۰ قبل مسیح میں شمالی ویت نام پر قبضہ کیا۔ اس طرح ایک ہزار سال تک ویت نامی کبھی آزاد اور کبھی غلام بنتے رہے، جب کبھی چین کمزور ہوتا، تو یہ آزاد کہلائے جانے لگتے اور جب چین اپنی طاقت کو مجتمع کر کے اس پر چڑھائی کرتا، تو ان کے گلے میں غلامی کا طوق پڑ جاتا۔ بالآخر ایک طویل جدوجہد کے نتیجے میں شمالی ویت نام دسویں صدی میں آزادی سے ہمکنار ہوا۔ بعد میں اس نے جنوبی ویت نام پر بھی قبضہ کر کے اسے اپنے ساتھ ملا لیا۔ بظاہر یہ دونوں خطے ایک ملک کی صورت میں ڈھل گئے،

پہلا پہلا جھوٹ ہے اس کو یقیں آجائے گا

پاکستان ٹیلی ویژن کے زیرِ اہتمام کُل پاکستان مشاعرے کی رُوداد

۱۱ جنوری ۱۹۷۹ء شام کے ساڑھے سات بجے اسلام آباد ہوٹل میں، راولپنڈی اسلام آباد ٹیلی ویژن سنٹر کے زیرِ اہتمام کل پاکستان مشاعرہ منعقد ہوا جس میں تقریباً ۲۳ شعراء کرام نے حصہ لیا۔

جمیل الدین عالی مشاعرے میں شرکت نہ کر سکے۔ وہ اپنے مرحوم دوست ابنِ انشاء کی برسی کے سلسلے میں کراچی چلے گئے۔

صدارت جناب محمود اعظم فاروقی، وفاقی وزیرِ اطلاعات و نشریات نے کی۔ میزبانی کے فرائض حمایت علی شاعر نے بڑی خوبصورتی سے ادا کیے۔ پروڈکشن کی فنی باریکیاں سنبھالنے کے لیے میزبان ادارے نے اپنے ایک ذہین نوجوان، تاجدار عادل کا انتخاب کیا۔

حمایت علی شاعر نے خدا کے نام سے مشاعرے کی ابتدا کر کے جناب صدر سے درخواست کی کہ وہ صدارتی کلمات سے سامعین کو نوازیں۔

جناب محمود اعظم فاروقی نے کچھ اس طرح فرمایا: "عرصہ ہوا یومِ جگر کے سلسلے میں ایک بہت بڑا مشاعرہ ہوا تھا۔ اس کے بعد اس پائے کا کوئی مشاعرہ نہ ہوا۔ اب پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن کے پروگرام کے مطابق ہر سہ ماہی میں دو مشاعرے ہوا کریں گے۔ یہ مشاعرہ اس پروگرام کی پہلی کڑی ہے۔ اردو ادب میں مشاعرے کو ایک INSTITUTION کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ہماری تہذیب کا ایک حصہ ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں اس طرح کے مشاعرے نہیں ہوتے۔ شاعر، ماحول سے اثر پذیر ہوتا ہے اور ماحول پر اثر انداز بھی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ شاعر سوچ کو بیدار کرے اور ماحول پر اثر انداز ہو۔ شاعر بے جان لفظوں میں جان ڈال کر اپنا پیغام دیتا ہے۔ سامعین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دل کھول کر اچھے شعر کی داد دیں۔ ان کو حق پہنچتا ہے کہ تہذیب کے دائرے کے اندر رہ کر مناسب وقت پر اپنے ردِ عمل کا برجستہ اظہار کر دیں، ایسا نہ ہو تو محفل سونی سونی نظر آنے لگتی ہے۔" اس ضمن میں موصوف نے فرمایا کہ کسی مشاعرے میں ایک شاعر جس کے منہ میں دانت نہیں تھے، اپنا کلام سنا رہا تھا۔ سامعین میں سے کسی نے کہا: "خالص زبان کا شعر ہے۔" لطف آگیا، واہ واہ ہوئی۔

سامعین نے جناب صدر کی ہدایات پر پورا پورا عمل کیا۔ اچھے شعر پر دل کھول کر داد دی۔ کسی شعر پر خاموشی اختیار کر کے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا لیکن فقرے چست کرنے میں بھی بخل سے کام نہ لیا۔

سب سے پہلے حمایت علی شاعر نے اپنا کلام سنایا ؎

اس شہرِ خفتگاں میں کوئی تو اذان دے
ایسا نہ ہو زمیں کا جواب آسمان دے

مندرجہ ذیل اشعار پر داد کے جھونکوں نے فضا کو معطر کر دیا ؎

تجھے میں اپنی محبت سے ہٹ کے دیکھ سکوں
یہاں تک آنے میں مجھ کو کئی زمانے لگے — سلیم احمد

وہ جو اک عمر سے مصروفِ عبادات میں تھے
آنکھ کھولی تو ابھی عرصۂ ظلمات میں تھے — احمد ندیم قاسمی

ہر بڑے انسان کے اندر بڑا انساں نہیں
ہر بلند ایوان کے در پر جبیں سائی نہ کر — احسان دانش

بقولِ برہمن قہرِ خدا ہوں!
بُتوں کے حسن پر ڈھایا گیا ہوں — حفیظ جالندھری

خوشیوں کے ساتھ ساتھ نہ جانے کہاں تھی میں
پھر یوں ہوا کہ گردشِ دوراں تھمی رہی — ادا جعفری

اے خدا جو بھی مجھے پندِ شکیبائی دے
اس کی آنکھوں کو مرے زخم کی گہرائی دے
تیرے لوگوں سے گلہ ہے مرے آئینوں کو
ان کو پتھر نہیں دیتا ہے تو بینائی دے — احمد فراز

نصیب کیسے بدل دے کوئی سفینے کا
جو ناخدا ہے وہ سب کچھ سہی خدا تو نہیں
یہ کون بے حس و حرکت پڑا ہے ساحل پر
چلو قریب سے دیکھیں وہ ناخدا تو نہیں
قدم اٹھے ہیں، تو منزل بھی مل ہی جائے گی
میں بے بصر سہی مگر شکستہ پا تو نہیں
حضور آپ نے اقبال کو غلط سمجھا
وہ پارسا ہے، مگر آدمی بُرا تو نہیں — اقبال عظیم

مہرباں ہو بھی گئے ہو تو ندامت کیسی
آگئے ہو تو نہ آنے کی وضاحت کیسی — شہرت بخاری

خود بھی وہ چالاک ہے لیکن اگر ہمت کرو
پہلا پہلا جھوٹ ہے اس کو یقیں آجائے گا — ظفر اقبال

جب آفتابِ محبت غروب ہونے کو تھا
تو ایک شخص بڑے پیار سے بلانے لگا — محسن احسان

میں کیا کہ میرے بعد بھی جو لوگ واں گئے
کوئی نہ اس کی انجمنِ ناز سے اُٹھا — عزیز حامد مدنی

جب بھی تیری قربت کے کچھ امکاں نظر آئے
ہم خوش ہوئے اتنے کہ پریشاں نظر آئے — صادق نسیم

چند شعرا نے اپنا پرانا کلام سنا کر داد وصول کی۔ یہ توان کے اشعار کی دل کشی تھی، ورنہ حق بات تو یہ ہے کہ سخن فہم افراد تازہ کلام سننے کے لیے آئے تھے۔ دو ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ سامعین کی اجتماعی قوتِ برداشت نے ایک جماہی سی لی۔ عین اس وقت سید ضمیر جعفری لفظوں کا ایک لشکر لے کر میدان میں اترا اور ایک سخی فاتح کی طرح لعل و گہر لٹاتا آگے نکل گیا۔ کیمروں کی آنکھوں نے فل لائٹ میں ہنستی مسکراتی زندگی کے اس منظر کو دیکھا اور وہ سب کچھ دیکھا جو اس سے پہلے ہوا تھا اور وہ بھی جو اس کے بعد ہوا۔

جب حمایت علی شاعر نے مشاعرے کے اختتام کا اعلان کیا، تو کسی کا جی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اٹھ کر اس محفل سے چلا جائے۔ اس لیے کہ ٹیلی ویژن کارپوریشن کی انتظامیہ نے اس ماحول میں دوستی اور محبت کی فضا پیدا کر دی تھی اور وہ پرانے دوست ایک دوسرے کے گلے مل رہے تھے جن کو حالات اور فاصلوں نے جدا کر رکھا تھا۔

●●

ممتاز عامر

جنابِ بروہی کی نئی منطق

نظامِ مصطفیٰ بعد میں، پہلے کردارِ مصطفیٰ پیدا کرو

گزشتہ دنوں جنابِ بروہی اس شان سے بولے کہ ذہنوں کو پریشان کر گئے اور کئی بحثیں چھڑ گئیں۔

یوں تو پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے سینٹ ہال میں شریعت بنچ آرڈر اور اسلامی نظام کے نفاذ سے متعلق اب تک بہت سی تقاریب ہو چکی ہیں، لیکن ۱۳ جنوری کو اس ہال میں وفاقی وزیرِ قانون جناب اے کے بروہی نے "قانونِ اسلامی کا نفاذ اور عملی تدابیر" کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے پہلے کی گئی تمام گفتگو کو یکسر مختلف سمت پر ڈال دیا۔ ان کے مطابق موجودہ حکومت جو قوانین وضع کر رہی ہے، وہ بنیادی طور پر عبوری نوعیت کے ہیں اور جونہی اقتدار عوامی نمائندوں کو منتقل ہوا، یہ قوانین منسوخ ہو جائیں گے۔ اسلامی قوانین کے نفاذ سے متعلق اسی ہال میں جتنے لوگ بھی اظہارِ خیال کر چکے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اس پہلو کو اجاگر نہ کیا اور نہ ہی اس زاویے سے پوری صورتِ حال کا جائزہ لیا تھا۔

لاہور لاء کالج اسٹوڈنٹس یونین کے زیرِ اہتمام ہونیوالی دو روزہ اسلامک لاء کانفرنس کی پہلی نشست ۱۳ جنوری کو منعقد ہوئی اور اس میں سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس اے آر کارنیلیس، روزنامہ "جسارت" کے ایڈیٹر صلاح الدین احمد، پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر خیرات ابنِ رسا نے خطاب کیا۔ وفاقی وزیرِ قانون جناب اے کے بروہی اس نشست کے چیئرمین تھے اور انہوں نے سب سے آخر میں تقریر کی۔

مومنین کہاں ہیں؟

وفاقی وزیرِ قانون نے کہا کہ نظامِ مصطفیٰ کی اصطلاح درست نہیں، کیونکہ اس طرح ہم پر محمڈن ہونے کا ٹھپہ لگے گا اور یہی ہمارے اغیار چاہتے ہیں۔ قرآن مجید اسلامی قوانین کا واحد ماخوذ ہے۔ اسلامی ریاست معاشرے میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا محض ایک اظہار ہے۔ اسلامی ریاست اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک وسیلہ یا ذریعہ ہے جس کی وساطت سے علماء قرآن مجید کے دیئے ہوئے قوانین کے تاریخی عمل کو جاری رکھتے ہیں۔ صالحین، مومنین اور مجاہدین کے اجتماع سے اسلامی ریاست تشکیل پاتی ہے۔

مجھے پروفیسر صلاح الدین کے اس سوال سے اتفاق ہے کہ اسلامی ریاست میں صاحبِ اختیار افراد کی کچھ صفات متعین ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ایسے لوگ موجود نہیں جن کو حکومت سونپ دی جائے۔ اگر لوگوں کی قطار بنائی جائے اور ان سے ایک ایک کر کے پوچھا جائے، تو اقتدار میں آنے کی خواہش، تو سب میں ملے گی، لیکن اس کے لیے جیسے کردار کی ضرورت ہے، ان میں وہ نہ ملے گا۔

جناب بروہی نے کہا کہ زوالِ بغداد کے بعد دوسری تہذیبوں نے اسلامی معاشروں پر غلبہ پا لیا اور طاقت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ اقبال نے اپنے خطبات میں کہا ہے کہ پانچ سو برس سے اسلام کا ارتقائی عمل رکا ہوا ہے اور اسلامی معاشرہ بدلتے ہوئے حالات کے مطابق نہیں چلا، لہٰذا اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں ہمیں اپنے اردگرد کے حالات کا جائزہ لینا ہوگا۔ اسلامی قوانین میں وقت کے تقاضوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت تو موجود ہے، لیکن ہم نے اس پر کام نہیں کیا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد سے اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والوں نے بھی ایسا کوئی ماڈل پیش نہیں کیا جس کے مطابق معاشرے کو ڈھالا جا سکے۔

موجودہ نظام کی بنیاد سُود پر ہے، قرآن نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ جب تک ہم بلا سود معاشی نظام قائم نہیں کریں گے اسلامی معاشرہ کیسے وجود میں آئے گا؟ یہ کام محض بٹن دبانے سے نہیں ہو سکتا۔ ہم نے تیس برس کا عرصہ ضائع کر دیا ہے۔ ہمیں اس منزل کی جانب بتدریج بڑھنا ہوگا۔ اگر موجودہ حکومت بھی اسلامی نظام کے نفاذ کی جانب قدم نہ بڑھاتی، تو اسلام کے دانشور کیا کر رہے تھے؟ کیا وہ ایسے ماڈل کے لیے کوئی تیاری کر رہے تھے؟

تبدیلی بتدریج ہوگی

جناب بروہی نے کہا کہ معاشرے کا نظم و نسق قانون کے تابع ہوتا ہے۔ ہمارے پاس پہلے سے ایک قانونی ڈھانچہ موجود ہے۔ اس وقت ہم تبدیلی دو طرح سے لا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں ایک مکان میں رہتا ہوں، لیکن مجھے اس کا نقشہ پسند نہیں۔

ایک صورت تو یہ ہے کہ میں اسے مکمل طور پر مسمار کر کے اس کی جگہ دوسرا اپنی پسند کا مکان بنا لوں، لیکن مسمار کرنے اور نئے مکان بننے تک کے درمیانی عرصے میں کہاں رہوں گا؟ کیا سردی میں نہ ٹھٹھر جاؤں گا؟ دوسری صورت یہ ہے کہ نئے مکان کا نقشہ بنا لوں اور پھر پہلے مکان کے ایک حصّے کو توڑ کر اسے نئے نقشے کے مطابق بناؤں، جب وہ بن جائے، تو اس میں رہنا شروع کر دوں اور دوسرے حصّے کو ڈھا کر اُسے بناؤں۔ قانون بھی اسی طرح ایک عمارت ہے جس میں معاشرہ رہتا ہے۔ اگر ہم اسے مکمل طور پر منسوخ کر دیں گے، تو کہاں رہیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی نظام کی طرف بتدریج بڑھنا چاہیئے۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسے لوگ کہاں سے لائیں جو اسلامی نظام کو چلا سکیں۔ اس کی ایک صورت تو انتخابات ہیں جس میں بلا تخصیص افراد کو حکومت چلانے والے لوگوں کے انتخاب کا حق حاصل ہے۔ انتخابات میں حصّہ لینے والوں کے لیے کوئی شرط نہیں، جبکہ وکیل، انجینئر اور ڈاکٹر بننے کے لیے شرائط موجود ہیں۔

منتخب اسمبلی کے بعد؟

اس کے برعکس اسلام کی پوری عمارت علم پر مبنی ہے۔ قرآن و حدیث میں متعدد جگہ علم کی فضیلت واضح کی گئی ہے۔ قرآنی نظام کے نفاذ کے لیے صاحبِ علم لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ ہمارے ہاں صاحبِ علم افراد کے انتخاب کا امکان نہ ہو، تو ووٹ دینے کے لیے کم از کم پڑھے لکھے ہونے کی شرط ہی لگا دی جائے، لیکن ہماری یہ بات کون سُنتا ہے۔ خود فوجی حکومت کی کچھ مجبوریاں ہیں۔

سپریم کورٹ نے آئین کو مقدّس قرار دیا ہے، اس میں کوئی بلا ضرورت ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ مسز نصرت بھٹو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے مطابق موجودہ حکومت نہ صرف لامحدود

قانون سازی نہیں کر سکتی، بلکہ مارشل لاء کے عبوری دَور میں وضع کئے گئے قوانین بھی یہ حکومت ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گے، یہ نئی منتخب ہونے والی حکومت پر منحصر ہوگا کہ وہ ان قوانین کو آئین کا حصہ بناتی ہے یا نہیں، حتیٰ کہ منتخب ہونے والی اسمبلی شریعت بنچ کے قیام کا فیصلہ بھی واپس لینے کی مجاز ہو گی۔

اقتدار منتخب نمائندوں کو منتقل ہوا، تو موجودہ قوانین منسوخ ہو جائیں گے !

باتوں سے کام نہ چلے گا

اس وقت ہمارے پاس اختیار نہیں، لیکن لوگ کہہ رہے ہیں "شریعت کی بات نہیں کرتے"، "اسلام کی بات نہیں کرتے"، "رخ بدل گیا ہے چاہے باطن میں کچھ بھی ہو"۔ لیکن صرف تجریدی باتوں سے کام نہیں چلے گا، ہمیں حقائق کا سامنا کرنا چاہیئے۔ موجودہ قوانین ۹۰ فیصد غیر اسلامی ہیں۔ مَیں کہتا ہوں موجودہ لباس غیر اسلامی ہے۔ اسے اُتار پھینکیں، تو کیا ننگے پھریں گے؟ پہلے سے اس کا کوئی متبادل ہونا چاہیئے۔

ہم تضادات میں گھرے ہوئے ہیں، ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں نے اسلام کے معاشی نظام کا ڈھانچہ وضع کر لیا ہے، لیکن یہ صرف اس کا اپنا تصور ہو گا، اس کی ذاتی رائے ہو گی، جب تک دُوسرے لوگ اس سے اتفاق نہ کر لیں گے۔

رات کے بعد اچانک دن نہیں آجاتا، صبح کا عمل ہوتا ہے۔ دوپہر کے بعد اچانک رات نہیں آتی، بلکہ شفق پھوٹتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بٹن دبایا اور نظام بدل گیا۔ ہمیں لوگوں کا کردار بدلنا ہو گا، نظامِ مصطفےٰ تو ٹھیک، لیکن کردارِ مصطفےٰ کہاں ہے؟

جبراً نماز نہیں پڑھاتے

وفاقی وزیرِ قانون نے مسٹر حنیف رامے کی طرف سے لگائے گئے الزام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ایک صاحب کہتے ہیں کہ "ہم زبردستی نماز پڑھا رہے ہیں، جبکہ بھارت دس گُنا طاقت ور ہو گیا ہے"۔ ہم کسی کو نماز پڑھنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ بات اسلام کی رُوح کے خلاف ہے۔ ہم نے تو صرف سرکاری دفاتر کے اوقات میں نماز کا وقفہ رکھا ہے۔

لاہور لاء کالج سٹوڈنٹس یونین کے صدر کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے لیے خون بہا دیں گے۔ ان کو کس نے کہا ہے کہ خون بہائیں؟ اسلام کے مطابق رہنا سیکھئے۔ کہنا آسان ہے، کرنا مشکل ہے۔ آپ تصوراتی دشمنوں کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ لائبریریوں میں جایئے، عربی سیکھئے۔ فقہ اور احادیث کی کتب کا مطالعہ کریں۔ قانون کے مختلف شعبوں میں تحقیق کریں۔ ہمیں آپ کا خون نہیں چاہیئے، محنت چاہیئے۔ پاکستان دنیا کا سست ترین ملک ہے جو محنت نہیں کرتا۔ یہاں مزدور محنت کئے بغیر روٹی کپڑا اور مکان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مسئلہ نظریے اور عمل کے مابین خلیج کو پاٹنے کا ہے۔ ہمارے بڑوں نے تیس سال تک پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ میں منافقانہ کردار ادا کیا، لیکن موجودہ نسل اس لحاظ سے قابلِ ستائش ہے کہ وہ پورے خلوص سے اسلامی نظام کا نفاذ چاہتی ہے۔

جہاں تک خلافِ اسلام قوانین کا تعلق ہے۔ اس میں بھی کسی ایک فرد کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی، بلکہ اس پر اُمت کا اجماع ہونا چاہیئے۔ کوئی ایسا ادارہ ہونا چاہیئے جو اس کا فیصلہ کرے اور لوگ جسے تسلیم کر لیں۔ جناب بروہی نے نئی نسل سے کہا کہ وہ اسلام کے لئے محنت کرے، کام کرے۔ آخر میں انہوں نے یہ وضاحت بھی کر دی کہ وہ جن خیالات کا اظہار کر چکے ہیں، وہ ان کی ذاتی رائے کی حیثیت رکھتے ہیں، ان باتوں کو وزیرِ قانون کی رائے نہ سمجھا جائے۔

سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس اے آر کارنیلیس پبلک پلیٹ فارم سے خطاب کرنے میں پس و پیش سے کام لیتے ہیں۔ یحییٰ خان کے دور میں ان کے خلاف پروپیگنڈے کی جو لہر چلی تھی، اس کے بعد سے وہ محتاط ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے مختصر تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے قیام کے مقصد کی تکمیل کے لئے اسلامی قوانین کا نفاذ ہونا چاہیئے۔

۱۴ جنوری کو کانفرنس کی دوسری نشست منعقد ہوئی۔ اسٹوڈنٹس یونین کے صدر مسٹر مقصود احمد نے سب سے پہلے جناب اے۔ کے بروہی کی تقریر سے عدمِ اتفاق کا اظہار کیا، انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو اقدامات کئے ہیں، آئندہ کسی حکومت کو یہ جرأت نہ ہو سکے گی کہ ان کو ختم کر دے، کیونکہ نوجوان اسلام کی جانب اٹھنے والے کسی قدم کو پیچھے نہیں ہٹنے دیں گے۔ ان کے بعد جناب طاہر قادری نے "اسلامی قوانین کا اجرا کہاں سے اور کیسے" کے موضوع پر تقریر کی۔

بروہی صاحب صوفی بھی ہیں

جماعت اسلامی لاہور کے امیر جناب سید اسعد گیلانی نے بھی جناب اے کے بروہی کے خیالات سے اتفاق نہ کیا اور اس سلسلے میں صدر یونین کے خیالات کی توثیق کی۔ انہوں نے کہا کہ بروہی صاحب کی تقریر سے ابہام پیدا ہوا ہے، کیونکہ وہ جدید خیالات رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ صوفی بھی ہیں، اس لئے ان کی باتوں سے ابہام پیدا ہو جاتا ہے۔ جناب اسعد گیلانی نے کہا کہ اسلامی نظام کے نفاذ میں ۳۲ سال کی تاخیر کافی ہے، اب لوگ مزید صبر نہیں کر سکتے۔

●●

میاں طفیل بنام بروہی

امیرِ جماعت اسلامی میاں طفیل محمد نے جناب اے۔ کے بروہی کی تقریر پر اپنے ردِ عمل کا اظہار ایک بیان میں کیا۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں کہا ہے کہ قرار دادِ مقاصد اور اسلامی دفعات ایک مرتبہ دستور میں آنے کے بعد کوئی شخص یا ادارہ انہیں دستور سے خارج کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا، خواہ وہ ایوب خان اور بھٹو ایسے مطلق العنان آمر ہی کیوں نہ ہوں۔

پاکستان اسلام کے لئے بنا ہے اور یہ اسلام ہی کی راہ پر چلے گا۔ آج دن بھر مسلسل مختلف جگہوں سے لوگ اس تشویش کا اظہار کرتے رہے ہیں کہ اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں موجودہ حکومت جو اقدامات کر رہی ہے اور شریعت بنچوں اور اسلامی حدود کے نفاذ اور عشر و زکوٰۃ کے سلسلے میں جو انتظامات ۱۲ ربیع الاوّل کو کئے جانے والے ہیں، وہ سب عارضی ہیں اور حکومت کی تبدیلی کے ساتھ ہی ان کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

وزیرِ قانون نے یہ بات واقعی اسی انداز میں کہی ہے، تو اس کی ضرورت انہیں کیوں پیش آئی؟ کیونکہ فطری طور پر تو ملک کے دستور سمیت ملک کے ہر قانون کی مجالسِ قانون ساز ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات رکھتی ہیں، لیکن عمل کی دنیا میں یہ صورت اسی حالت میں پیش آتی ہے، جب کہ کوئی قانون غلط یا ملک و ملت کے مفاد کے خلاف ہو یا عوام اس کی ترمیم و تنسیخ کا مطالبہ کریں۔ جہاں تک اسلامی نظام اور قانون و حدود کے نفاذ کا تعلق ہے، اس کے لئے تو ملک کی تمام جماعتیں خواہ وہ سیاسی ہوں یا مذہبی اور حکومت میں شریک ہوں یا اس سے باہر، ان کے قیام و نفاذ کا مطالبہ نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے بھائی اور بچے شہید کروا کر اور گھر لٹا کر کر چکے ہیں اور اب بھی کوئی ایک بھی اس کے خلاف نہیں بتایا جا سکتا کہ جو اسلام کی کوئی چیز دستور و قانون میں داخل ہو جانے کے بعد اس سے خارج کر سکے، اس کی حماقت پہلے دو آمر کر کے منہ کی کھا چکے ہیں، اس لئے موجودہ حکومت کو اس طرح کے کسی وسوسے میں پڑے بغیر اسلام کی پوری سکیم کو جلد از جلد ملک میں نافذ کرنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔

جو وقت انہیں ملا ہے اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ ملک کے عوام کو انصاف، اسلام اور شرافت کی عملداری چاہیئے، خواہ وہ کسی شخص ادارے یا گروہ کے ہاتھوں ان کو میسر آئے۔

اسلامی نظام اور قانون کا قیام ہر مسلمان کا اولین فرض ہے، خواہ وہ کوئی سیاسی لیڈر ہو، مذہبی رہنما ہو یا فوجی افسر ہو، اس کے لئے جان لڑائے بغیر کوئی شخص بھی صادق الایمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا، لہٰذا اسلامی نظام اور اسلامی حدود کے نفاذ کو دستوری حیثیت حاصل ہونے کے بعد انہیں دستور سے خارج کرنے کی کوئی شخص یا ادارہ جرأت نہیں کر سکے گا۔

●●

خاص برائے زندگی

● ایران میں اسلامی انقلاب کے اثرات عالمگیر ہوں گے
● خلیج فارس کے ممالک کو ہماری آزادی کا احترام کرنا ہوگا

ہم امریکہ یا روس کا اڈہ بننے سے انکار کرتے ہیں

عربی اور انگریزی میں بیک وقت شائع ہونے والے جریدے "الحوادث" کے نمائندے نے حال ہی میں آیت اللہ خمینی کا انٹرویو کیا ہے، جو ہم یہاں پیش کر رہے ہیں۔

۷۸ سالہ بوڑھے آیت اللہ خمینی ایک متعصب مسلم رہنما ہیں۔ پیرس کے قریب ان کی رہائش گاہ میں بھی ان کے اردگرد کٹر مذہبی ذہن رکھنے والے مُلّا نظر آتے ہیں۔ آیت اللہ خمینی اس رہائش گاہ سے شاہ کے خلاف تقریریں کرتے اور لاکھوں ایرانیوں کے جذبات میں طوفان برپا کرتے رہتے ہیں۔ ایران میں جو کچھ بھی ہو، اب خلیج کے علاقوں پر اس کے اثرات پڑیں گے اور تیل کی پیداوار میں کمی ہونے سے باقی دنیا بھی متاثر ہوگی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آیت اللہ خمینی ایران میں برسرِاقتدار آئیں یا نہ آئیں، ملک پہلے جیسی پوزیشن حاصل نہیں کر پائے گا۔

آیت اللہ خمینی کے پیروکار کہتے ہیں کہ شاہ کے ایجنٹوں نے نجف (عراق) میں ان کے بیٹے امام مصطفیٰ خمینی کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ خمینی کے نوجوان پوتے شیخ حسین امام بننے کی تربیت حاصل کر رہے ہیں اور وہ اپنے دادا سے بھی زیادہ کٹر مذہبی رجحانات رکھتے ہیں۔

آیت اللہ خمینی کے گرد جمع ہونے والے تمام لوگوں میں مذہب سے گہرا لگاؤ مشترک ہے۔ یہ لوگ خمینی سے تعلیم حاصل کرتے اور پھر اس کو پھیلاتے ہیں، چونکہ آیت اللہ خمینی کا نام مستقل طور پر بین الاقوامی پریس میں آ رہا ہے اس لیے وہ اپنا سیاسی فلسفہ کھل کر بیان نہیں کرتے، جب کہ ان کے پیروکار بلاتکلف اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تودہ پارٹی ایران میں اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی اور نہ یہ کمونسٹ پارٹی آئندہ اُبھر سکے گی۔ ان کے مطابق ایران میں اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آیت اللہ خمینی نے عراق کی حکومت کی درخواست پر عراق چھوڑا اور عراقی حکومت کو اس پر روس نے اکسایا تھا۔ ایران میں حالیہ انقلاب صرف شیعہ مسلمانوں ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس میں دوسرے فرقے اور اقلیتیں بھی شامل ہیں۔ احتجاج میں ہلاک ہونے والے شہید ہیں، چاہے ان کا تعلق کسی بھی فرقے یا مذہب سے ہو اور ہم شہیدوں کے خاندانوں کی اپنے فنڈ سے مدد کرتے ہیں۔ ہم متعصب شیعہ نہیں ہیں۔ یہ

شاہ کا محض پروپیگنڈہ ہے، بلکہ ہم تو مسلمان ہیں اور اس کو تعصب سمجھا جائے تو ہم خود کو متعصب مسلمان کہنے سے نہیں ہچکچاتے۔ شاہ ایرانی شیعہ اور سُنّی فرقوں میں اختلافات پیدا کرنا چاہتے ہیں، لیکن ایرانی شیعہ اور سُنی آپس میں ایسی کوئی تفریق نہیں رکھتے۔ ایران کے سُنی علاقوں میں بھی بھرپور احتجاج ہو رہا ہے۔ اب آیت اللہ خمینی کا انٹرویو ملاحظہ ہو۔

س: روس یہ سمجھتا ہے کہ ایران میں شیعہ اسلامی جمہوریہ کے قیام سے اس کا داخلی امن و امان خطرے میں پڑ جائے گا۔ کیا آپ اس پر یقین رکھتے ہیں؟

ج:- بڑی طاقتیں ہمیشہ اپنے مفادات کا تحفظ کرتی ہیں اور وہ اپنے فائدے کے لیے چھوٹے ملکوں کی قدرتی دولت پر قبضہ کر لیتی ہیں، لہٰذا آزادی کی تحریکوں میں ان سامراجی عزائم کی مسلسل مخالفت ہوتی ہے۔ روس بھی اس لیے فکرمند ہے کہ اس کی اپنی سرحدوں کے اندر کوئی مخالفانہ لہر اُٹھ سکتی ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ اسے ایران کے اندر اپنے مفادات عزیز ہیں۔ اسی لیے وہ شاہ کی حمایت کرتا ہے۔ روس یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ ایران کے عوام اپنی آزادی اور حقوق کے حصول کی خاطر شاہ کے خلاف برسرِپیکار ہیں۔ ایرانی اپنے ہمسایہ ممالک کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے، تاہم ایران میں اسلامی انقلاب کے اثرات عالمگیر ہوں گے اور خاص طور پر عالمِ اسلام اس سے بہت متاثر ہوگا۔ اس سے مسلمانوں کو یہ احساس ہوگا کہ وہ اپنے قومی مفادات اور عقائد کا تحفظ کریں۔

س: کیا آپ کا یا آپ کے گروپ کا روس کے اندر موجود شیعہ مسلمانوں سے کوئی رابطہ ہے؟

ج: قطعی نہیں۔ کیا شاہِ ایران اور روس کی آمرانہ حکومتیں اس کی اجازت دیں گی؟

س: کیا آپ ایران کے "نیلے" شیعہ مسلمانوں اور روس کے "سرخ" شیعہ مسلمانوں کے عقائد میں کوئی فرق سمجھتے ہیں؟

ج: کوئی فرق نہیں ہے۔ ہمیں تو اپنی آزادی اور ایران

میں اسلامی ریاست کے قیام میں دلچسپی ہے۔ اس کے لیے شاہ کو تخت سے اُتارنا اور شاہی اقتدار کو ختم کرنا ناگزیر ہے۔

س : اگر آپ نے ایران میں اسلامی جمہوریہ قائم کر لی تو اس کے خلیج فارس کے بادشاہ حکمرانوں سے کیسے تعلقات ہوں گے؟

ج : ایران کی اسلامی جمہوریہ تمام ملکوں کے ساتھ باہمی احترام کی بنیاد پر تعلقات رکھے گی، تاہم اس بات کا خیال رکھا جائیگا کہ ان تعلقات سے اسلام کے بنیادی اصول مجروح نہ ہوں۔ بیرونی تعلقات میں ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستی کو ترجیح حاصل ہوگی، لیکن جن سے ہم تعلقات استوار کریں گے، ان کو بھی ہماری آزادی اور خود مختاری کا احترام کرنا ہوگا۔

س : افغانستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، جہاں اب مارکسسٹ حکومت قائم ہو چکی ہے اور ایشیا کی سلامتی کے معاہدے کے بارے میں بھی کچھ بتائیں جو کہ افغانستان اور روس کے مابین ہوا ہے؟

ج : افغانستان کے عوام مسلمان ہیں لہٰذا وہاں پر کوئی ایسی حکومت عوامی مقبولیت حاصل نہ کر سکے گی جو اسلامی اصولوں پر مبنی نہ ہوگی۔ کابل کی گزشتہ حکومت کو عوام کی تائید حاصل نہ تھی اور وہ ان پر مظالم ڈھا رہی تھی۔ ظلم زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔

ہم امریکہ کے لیے اس علاقے میں اڈہ بننے کے لیے تیار نہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم روس کی دفاعی ضروریات کی خاطر اس کا اڈہ بننے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ ہمارا روس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ وہ یہاں اپنے مفادات حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے، جب کہ امریکہ ایک سامراجی ملک کے طور پر عمل کر رہا ہے۔

س : مغربی سفارتی حلقوں کا خیال ہے کہ اگر شاہِ ایران تخت پر اپنے ولی عہد کو بٹھا کر ریجنسی کونسل قائم کر دیں، کونسل میں آپ کو شامل کیا جاتے اور اس کے بعد اصلاحات کی جائیں تو ایران کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے؟

ج : کیا ایرانی عوام نے مغربی سفارت کاروں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ ایران کے معاملات کے فیصلے کریں؟ ایران کے عوام شاہ اور اس کی شہنشاہیت کو مسترد کر چکے ہیں۔ وہ اسلامی جمہوریہ کا قیام چاہتے ہیں۔ مغرب کو ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ مغرب کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ شہنشاہ اور اس کے پہلوی خاندان کا تحفظ خود مغربی ممالک کے حق میں نہ ہوگا۔

س : واشنگٹن میں ایرانی سفیر اردشیر زاہدی نے ایک سیاسی تحریک شروع کر رکھی ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ ایران میں حزبِ اختلاف کو شامل کر کے ایک حکومت قائم کی جائے اور اس کے تحت اصلاحات ہوں۔ کیا ایسا کوئی حل کارگر ہوگا؟

ج : عوام کی خواہشات کے خلاف ایسا کوئی حل قابلِ عمل نہ ہوگا۔ چاہے اس کا پیش کرنے والا دیانتدار آدمی ہو یا معروف سرکاری ایجنٹ۔ ایرانی عوام اپنے سیاسی شعور سے ایسی کسی بھی سازش کو ناکام بنا دیں گے۔ میں نے بار بار کہا ہے کہ شاہ کے ایران میں موجود رہتے ہوئے کسی بھی شخص کا اقتدار سنبھالنا عوام کے ساتھ غداری ہے۔ نہ صرف ملک بلکہ اسلام اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ غداری۔

س : کیا یہ درست ہے کہ اردن کے شاہ حسین نے آپ کے اور شاہ ایران کے مابین گفت و شنید کرانے کی کوشش کی تھی؟

ج : نہیں۔ یہ بات درست نہیں۔

س : اگر فرانس نے آپ کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگائی تو آپ کیا کریں گے؟

ج : کوئی بھی مجھے اپنا فرض ادا کرنے سے روک نہیں سکتا۔ اگر میں نے محسوس کیا کہ فرانس میں رہتے ہوئے میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت نہیں کر سکتا تو یہاں سے چلا جاؤں گا۔

س : آپ ایران واپس جانے سے کیوں انکار کرتے ہیں؟

ج : میں فرانس میں عارضی طور پر مقیم ہوں۔ جب وقت آئے گا اور ایران میں میری ضرورت ہوگی، واپس چلا جاؤنگا۔

س : خیال تھا کہ اب تک شاہ کا تختہ اُلٹ جائے گا؟

ج : عوامی نقطۂ نظر سے شاہ کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ وہ بادشاہ یا صاحبِ اقتدار نہیں رہے۔ وہ صرف اپنے ہاتھ میں آخری حربے کے ذریعے عوام کو ڈرا رہے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ فوج کب تک شاہ کی وفادار رہتی ہے۔

س : کیا آپ شاہ کے خلاف مسلح جدوجہد کی اپیل کرینگے؟

ج : اگر موجودہ طریقہ مطلوبہ نتائج پیدا نہ کرے گا، تو ہم اپنے لائحہ عمل پر نظرِ ثانی کریں گے۔

●●

- مغربی نظامِ تعلیم نے ہمیں احساسِ کمتری کا شکار کر دیا
- یورپ کو مشرقی طرزِ زندگی کی اشد ضرورت ہے۔

اندھی تقلید کے بجائے ملکی تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا

اسلامی تحریک طلبہ کے نائب امیر جناب محمد علی انور سے

انٹرویو ـــــ محمد اظفر علی خاں نے برلن میں لیا

سوال : آپ مختصراً "اسلامی تحریکِ طلبہ" کی تاریخ اور اس کے نصب العین کے بارے میں بتلائیں گے!

جواب : "اسلامی تحریکِ طلبہ" جرمنی میں مقیم اسلامی ذہن رکھنے والے اُردو دان طلبہ کی تنظیم ہے۔ اس میں ہندوستان اور پاکستان سے آئے ہوئے کام کرنے والے حضرات شامل ہیں ۱۹۷۴ء کے ابتدا میں کسی تنظیمی ڈھانچے کے بغیر اجتماعات سے اس کی بنیاد پڑی اور پھر یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ایک دستور بنایا گیا اور تنظیم کو "اسلامی تحریکِ طلبہ" کا نام دیا گیا۔ ہماری تحریک سرِدست صرف برلن تک محدود ہے لیکن انشاء اللہ ہم اسے مغربی جرمنی اور یورپ کے دوسرے شہروں تک پھیلانا چاہتے ہیں۔

ہمارا نصب العین اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انسانی زندگی کی تعمیر کے ذریعہ رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

ہمارا پروگرام حسبِ ذیل ہے۔

- طلبہ اور غیر طلبہ تک اسلام کی دعوت پہنچانا، اس کا علم حاصل کرنے کی رغبت دلانا اور اس کے عملی تقاضوں کو پورا کرنے کا احساس بیدار کرنا۔
- جن افراد میں یہ احساس بیدار ہو جائے انہیں تحریک کے تحت منظم کرنا۔
- جو افراد تحریک کے نظم میں منسلک ہو جائیں، ان کے لیے اسلام اور جدید علوم کے وسیع مطالعہ، اسلامی تحریک و کردار کی تعمیر اور ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی نشوونما کا موثر انتظام کرنا۔
- ساتھیوں کی مشکلات میں امداد اور ان کے مسائل میں رہنمائی کرنا۔
- پاکستان یا ہندوستان سے کسی نئے تحریکی ساتھی کی جرمنی میں داخلے وغیرہ کے سلسلہ میں مدد کرنا۔

بہتر نتائج حاصل کرنے کے لیے تحریک کو دو حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حلقۂ ارکان، دوسرا حلقۂ رفقاء۔ تحریک کے عہدہ داروں میں ایک امیر، ایک نائب امیر اور تین ارکان شوریٰ ہیں۔ انتخاب میں نہ کوئی امیدوار ہوتا ہے اور نہ کوئی ترغیب جائز ہوتی ہے۔ رائے دہی کا حق حلقۂ ارکان اور حلقۂ رفقاء کو ہوتا ہے۔ ہمارے پاس اسلامی کتب کی ایک چھوٹی سی لائبریری بھی موجود ہے۔

سوال : غیر ممالک خصوصی طور پر یورپ اور امریکہ میں مسلمان طلبہ کا اپنی تعلیم اور یہاں کے معاشرتی مسائل کی طرف نقطۂ نظر کیا ہونا چاہیے۔ کچھ اس پر بھی روشنی ڈالئے۔

جواب : اسلامی ممالک کے طلبہ جو یورپی درسگاہوں میں حصولِ علم میں مصروف ہیں انہیں اپنے قیامِ یورپ میں ایک خاص نصب العین اختیار کرنا چاہیے۔

مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم میں ہنوز ذہنی غلامی باقی ہے، کیونکہ ہماری تعلیم نیم مغربی بنیادوں پر ہوتی ہے ہمیں اپنی قومی تاریخ کا بہت کم علم ہے اور اس نظامِ تعلیم نے ہم سے ہماری تہذیبی احساسِ برتری کو چھین لیا ہے، اسی وجہ سے ہم احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔ ہم نفسیاتی طور پر مغرب کو امام اور رہنما اور خود کو مقلد اور شاگرد خیال کرتے ہیں۔ کچھ تو اتنی دُور نکل گئے ہیں کہ اپنے ماضی کو حقارت اور نفرت سے دیکھتے ہیں اور ان پر یہاں کی معاشرتی اور سماجی برائیوں پر یہاں کے اخبارات کی سنگین رپورٹوں کا بھی اثر نظر نہیں آتا۔ یہ ساری باتیں اس لیے نہیں کہ ہم پر ایک طویل عرصہ غلامی کا گزرا ہے جس نے ہم سے خودداری اور اپنے ٹانگوں پر کھڑے ہونے اور اپنے ذہن سے سوچنے کی قوت چھین لی ہے۔ پھر یہ کہ ایسے لوگ اسلامی طرزِ زندگی سے بھی بہت کم آگاہ ہیں۔

ہم یہاں جدید صنعتی علوم سیکھنے آتے ہیں۔ ہم میں نہ صرف یہ کہ تقلیدی ذہن کا ذرا سا بھی نشان نہ ہو بلکہ ہمیں اتنا جرأت مند ہونا چاہیے کہ ہم صنعتی علوم کے بھی ایک ایک حصّہ کا تجزیہ کر سکیں اور صرف ان حصّوں کو اپنے ملک میں درآمد کریں جو ہمارے ہاں کے جغرافیائی اور علاقائی سانچے میں فٹ ہو سکے۔ ایک مقلد ذہن پاکستان جیسے گرم ملک میں بھی ایسی عمارت تعمیر کرنے کا مشورہ دے سکتا ہے جو قطب شمالی پر بنائے جاتے ہیں۔ اس ذہن کی کرشمہ سازیاں پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک میں خوب ملتی ہیں۔ اس موقع پر جاپان کی مثال ایک صحیح طرزِ فکر کو واضح کرتی ہے۔ اس نے صنعتی ترقی یورپی ممالک سے سیکھ کر کی اور کچھ ایسا سیکھا ہے کہ استاد اور شاگرد میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے، مگر صنعتی رواج ملک میں داخل کرنے سے پہلے جاپان نے اپنے سماجی اور ثقافتی ڈھانچے پر منفی صنعتی اثرات کم کرنے کے لیے مختلف بڑے فیصلے کیے، جن کی مثال کسی ملک میں نہیں ملتی۔ جاپان نے خوددار ملک کی حیثیت سے اپنا وقار قائم رکھا اور اس میں تجدید کا ایک خاص ڈھنگ اختیار کیا۔ تقلیدِ مغرب سے کلی اجتناب کیا۔

اس لیے ہمارا کام بھی یہاں یہ ہے کہ جدید علوم کو بڑی گہرائی سے سیکھیں، اپنے ملک کی ضروریات اور معاشرتی ڈھانچے کا مکمل شعور رکھیں اور جرأت مندانہ طریقے پر غیر ضروری اور ضروری چیزوں میں حدِ فاصل قائم کریں۔

مختصراً یہ کہ ہمیں اپنے ممالک کے لیے ایک فلٹر کے طور پر کام کرنا ہے کہ صرف انہی خیالات یا صنعتی علوم کو ملک میں داخل ہونے

سمرقند و بخارا کی
خُونیں سرگزشت

ـــ اعظم ہاشمی ـــ

رُوسی ترکستان کے مُسلمانوں کی رُودادِ الم جسے پڑھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "سوشلزم" اسلام کے لیے کتنا عظیم خطرہ ہے اور اس کے ظاہر و باطن میں کتنا بھیانک فرق موجود ہے۔

سفید کاغذ فوٹو آفسٹ طباعت حسین سرورق

قیمت : ۲/۲۵ روپے

مکتبۂ اُردو ڈائجسٹ سمن آباد۔ لاہور

دیں جو فی الواقع ملک کے لیے ضروری ہوں اور ان ذہنی بیماروں کے خلاف زبردست مزاحمت کریں جو مغرب سے اندھوں کی طرح ہر چیز درآمد کر کے اپنے آپ کو ترقی پسند خیال کرتے ہیں حالانکہ ان سے بڑا شاید ہی کوئی رجعت پسند ہو۔

یہ تو تھا صنعتی علوم میں ہماری بصیرت کا معاملہ۔ دوسری طرف یورپی آدابِ زندگی اور معاشرتی طرز ہمارے لیے نہ صرف یہ کہ ناقابلِ تقلید نمونہ ہے بلکہ ہماری طرزِ زندگی کی یورپ کو شدید ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے رہن سہن کے طریقہ اور مذہب کی اعلیٰ باتیں موقع بہ ہمیشہ کہنی چاہئیں۔

سوال : کیا پاکستان کا موجودہ نظامِ تعلیم جس میں آپ نے تربیت پائی ہے، ملکی ضرورت کو پورا کرتا ہے؟

جواب : پاکستان کا موجودہ نظامِ تعلیم اسلامی نقطۂ نظر اور فنی اور اقتصادی لحاظ سے ملکی ضروریات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیادی اساس تھوڑے بہت تغیر کے باوجود وہی ہے جو آج سے ۱۰۰ سال قبل انگریز رائج کر گیا تھا۔ آزاد ہونے کے بعد سب سے اہم کام یہ تھا کہ ہم سارے جھگڑوں کو الگ رکھ کر سب سے پہلے ہم یہ طے کرتے کہ نظریاتی، فنی اور اقتصادی طور پر ہماری منزل کیا ہے؟ ہماری ضروریات کیا ہیں اور ہم کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اس کے بجائے ہم پرانے نظامِ تعلیم میں پیوند کاری سے کام لیتے رہے ہیں۔

اگر تعمیرِ وطن مقصود ہے تو ایک ایسی منظم تعلیمی پالیسی لانی پڑے گی، جس میں پورے تعلیمی دور میں نصاب ایک دوسرے سے مکمل طور پر منسلک رہیں۔ اسکول کی حد تک علمی نصاب کا ایک مقصد حل کیا جائے اور کالج اور یونیورسٹی میں اسی مقصد کے دوسرے حصّہ کی تکمیل ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا نظام اور امتحانات کا موجودہ طریقہ کار بھی انتہائی ناقص ہے۔ امتحانات قابلیت کے بجائے اعصاب کے ہوتے ہیں۔ عملی طور پر طلبہ میں خود اردو میں علم حاصل کرنے کا شوق پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کے لیے اساتذہ کو مختلف ریفریشر کورس کے ذریعے سائنٹیفک طرز پر تیار کیا جاسکتا ہے۔ استادوں کو ایسے کورسز میں ٹھوس علمی اور نظریاتی بریفنگ کی جانی چاہیے اور اسے ہر سال ایک بار ایسے کورس سے ضرور گزارا جائے۔ ہمارے ملکوں میں طالب علموں سے زیادہ اساتذہ کے اصلاح کی ضرورت ہے۔

سوال : کیا آپ ہمارے قارئین کو یورپی نظامِ تعلیم اور یہاں کی یونیورسٹیوں میں درس و تدریس کے طریقۂ کار کے بارے میں مختصراً بتائیں گے۔

جواب : مختصراً یوں سمجھئے کہ یورپی نظامِ تعلیم کی منزل خالص مادی ترقی اور اقتصادی ارتقا ہے۔ اسی فکر کے ساتھ اسکول سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کے سلیبسوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ انسانی سوچ میں جذباتیت اور مدرسیت کے بجائے منطقی طور پر سوچنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ اُستاد اور شاگرد کے درمیان فاصلہ کو کم سے کم کرنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، تاکہ حصولِ علم میں نفسیاتی الجھنیں رکاوٹ نہ ڈالیں اور طلبہ اپنی صلاحیتوں کو اکیلے اور گروپ کی شکلوں میں اجاگر کر سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فلم اور سلائیڈز کے ذریعہ بھی مختلف موضوعات کی تشریح کی جاتی ہے۔ جرمنی میں۔ سمسٹر سسٹم رائج ہے اور سال میں دو سمسٹر ہوتے ہیں۔ اختیاری مضامین کی بہتات ہوتی ہے۔ اپنی ذوق و پسند کے مطابق مضامین اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ یونیورسٹیاں اپنا آزاد طریقۂ کار رکھتی ہیں۔

اس سلسلے کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں کی درسگاہوں میں مادہ پرستی اور ٹھوس منطقی طرزِ فکر کو تو بنیاد بنایا جاتا ہے، مگر منطقی سوچ کی حدود و قیود واضح نہیں کی جاتی ہیں۔ اسی لیے یورپی ممالک اقتصادی اور مادی ترقی میں تو بامِ عروج پر ہیں، مگر ذہنوں، خاندانوں اور معاشرے میں حقیقی انسانیت بڑی دکھ میں مبتلا ہے۔ دین کو ان درسگاہوں کے فارغ التحصیل یورپین واقعات و حوادث کے پیچھے ایک فرسودہ آواز سمجھتے ہیں۔ یہاں سیکھا ہوا علم بنک اکاؤنٹ میں رقم تو لا سکتا ہے، ذہنوں میں سکون نہیں۔

سوال : گزشتہ دنوں پاکستان میں خواتین کی یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب : خواتین کے لیے یونیورسٹی کا قیام بڑا خوش آئند ہے۔ یہ دو لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مرد و زن کا اختلاط اسلامی ماحول میں ناپسندیدہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ خواتین فطرتاً مردوں سے مختلف ہیں۔ کئی علوم ایسے ہیں جو مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں اہمیت کے حامل ہیں اور کئی خصوصی علوم صرف عورتوں ہی کی بھلائی اور ان کی شخصیات کے اثبات و فروغ کے لیے معاشرہ میں ضروری ہیں۔ خواتین کے لیے الگ یونیورسٹی کے قیام کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ میں خواتین کی ذمہ داریوں کی نوعیت کے پیشِ نظر ان کے لیے تعلیمی نصاب بھی از سرِ نو مرتب کیا جانا چاہیے۔ اس کی وجہ یوں بھی ہے کہ ہمارے معاشرے میں شماریاتی طور پر تو خواتین ملک کا ۴۰، ۵۰ فیصد ہوں، مگر معاشرے پر اپنے اثرات کے لحاظ سے ۷۵ فیصد ہیں۔ خصوصی طور پر ہمارے معاشرے میں جہاں مشترکہ عائلی نظام ——— رائج ہے، اس لیے خواتین کے مسئلہ پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

پھر یہ کہ یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد ملازمت پیشہ خواتین کے لیے بھی ایسی سہولتیں موجود ہونی چاہئیں کہ جن قباحتوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے خواتین کی الگ یونیورسٹی قائم کی جا رہی ہے، وہ قباحتیں یونیورسٹی سے باہر کی فضا میں باقی نہ رہیں۔ معاشی مسائل کی اس دنیا میں دن بدن فردِ واحد کے لیے خاندان کی گاڑی کھینچنا مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں معاشرہ میں ایسا ماحول اور حالات پیدا کرنے چاہئیں کہ جب خواتین معاش کے میدان میں آئیں، تو ان کی عزّت و وقار کا مکمل تحفظ ہو سکے اور معاشرہ کو ایسا سسٹم جاری کر دینا چاہیے کہ وہ نتائج نہ نکلنے پائیں جو دیگر ملکوں میں اس مسئلہ کو غیر فطری طور پر بے قابو ہو جانے پر پیش آئے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ ہم یہ تجربہ دنیا کے سامنے ایک اہم مثال کے طور پر پیش کر رہے ہیں اور دنیا کی موجودہ روش کے مقابل بظاہر ایک نیا فلسفہ پیش کر رہے ہیں۔ اس کے اچھے اور بُرے نتائج آئندہ تجربات کی بنیاد بنیں گے اور دوسرے ملکوں میں بطورِ مثال کے پیش ہوں گے۔ اس لیے اس مسئلہ کو زیادہ سے زیادہ منطقی اور سائنٹفک طور پر حل کرنا چاہیے۔ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ مالی اور ذہنی توانائیوں کو بروئے کار لانے سے دریغ نہ کیا جائے اور اس مسئلہ کو انتہائی سنجیدگی سے حل کیا جائے۔

جہاں تک یورپ میں عورتوں کے ساتھ سلوک کا معاملہ ہے تو یہاں دونوں صنفوں کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جاتا ہے۔ عقل عیار حالات کے مطابق ایسے فلسفے گڑھتا ہے جس سے سرمایہ دار کی فیکٹریاں نہ رکنے پائیں، خواہ عورت کی نسوانیت اور مامتا بھٹیوں کا ایندھن ہی کیوں نہ بن جائے۔ ●●

الطاف حسن قریشی کے تین مقالات

دیوار پر کیا لکھا ہے

وقتِ زوال

دستور کا پانچواں آپریشن

اب کتابی شکل میں شائع ہو گئے ہیں

بعنوان

بھٹو کا عہدِ ستم

یہ مقالات

اس وقت لکھے گئے جب بھٹو کی فسطائیت اپنے شباب پر تھی ـــ ان مضامین کے مطالعے سے

بھٹو شاہی

کا بھیانک چہرہ پُوری طرح سامنے آجاتا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے قومی ادارے کس کس انداز سے تباہ کیے

قیمت ایک رُوپیہ

دس کتابیں طلب کرنے پر محصول ڈاک ہم ادا کریں گے۔

مکتبۂ اُردو ڈائجسٹ ـــ سمن آباد ـ لاہور

محمد عارف قریشی

سات کنال کے لیے مزید کتنے قتل ہوں گے؟

آئی جی پولیس ذاتی دلچسپی لے کر مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں

قتل کے عام طور پر تین محرکات بتائے جاتے ہیں، زن زر اور زمین۔ بظاہر دیکھا جائے، تو یہ کوئی ایسی وجوہ نہیں جن کے بل پر ایک قیمتی جان کو زندگی سے محروم کر دیا جائے، لیکن ابتدائے آفرینش سے آج تک جتنے قتل ان وجوہ کی بنا پر ہوتے ہیں، شاید انسانی تاریخ کی دو عالمگیر جنگوں میں بھی نہ ہوتے ہوں اور اب صورت یہ ہے کہ انسانی جان سے ارزاں یہاں کوئی جنس نہیں۔ یہ سوچے بغیر کہ اس سے کتنے لوگ متاثر ہوں گے، ایک انسان دوسرے کی جان لے لیتا ہے اور یوں آنے والی نسلوں تک کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے۔

مقتول محمد طفیل

ایسی ہی ایک دشمنی کی بنیاد آج سے تقریباً چالیس سال قبل ملتان روڈ پر واقع لاہور کے نواحی قصبے شاہ پور کانجراں میں پڑی جس میں سید محمد نامی ایک شخص کو قتل کر دیا گیا۔ اس قتل کا محرک سات کنال زمین کا ایک جھگڑا تھا۔ یہ زمین مقتول سید محمد کی ملکیت تھی، لیکن اس کا قبضہ گل محمد کے پاس تھا۔ مقتول سید محمد نے یہ قبضہ واپس لینے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں اُسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ اس کے باوجود گل محمد کے انتقام کی آگ سرد نہ ہوئی اور وہ جاتے جاتے یہ چنگاری اپنے بیٹے لطیف کے دل میں سُلگا گیا اور پھر لطیف نے بھی یہ آگ بجھنے نہ دی۔ باوجود اس کے کہ آخری عدالت کا فیصلہ مقتول سید محمد کے وارثان کے حق میں تھا، لطیف نے نہ صرف اراضی کا قبضہ دینے سے انکار کر دیا، بلکہ اس نے اس مقصد کے لئے اپنے پاس آنے والے مقتول سید محمد کے بھانجے محمد طفیل پر حملہ کر کے اس کی ٹانگیں کچل دیں۔ بات یہیں تک رہتی، تو قابلِ برداشت تھی، لیکن اس شقی القلب نے اپنے حریف خاندان کو کاملاً ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر ۱۵ اگست ۱۹۷۸ء کی صبح اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ ۱۵ آدمیوں کو ساتھ لے کر محمد طفیل اور مقتول سید محمد کے بیٹے محمد جمیل کے راستے میں بیٹھ گیا۔ محمد طفیل اور محمد جمیل لاہور میں سروس کرتے تھے اور اپنے معمول کے مطابق اس صبح بھی لاہور آ رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ان کا ایک دوست نذیر، ان کی پھوپھی حاجراں اور جمیل کا ۱۲ سالہ بیٹا راحیل بھی تھے۔ وہ اپنی موت سے بے خبر آگے بڑھتے رہے اور پھر جب ملزمان کے نرغے میں آ گئے، تو وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ لطیف وغیرہ نے آگے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا اور پھر انہیں نہ صرف یہ کہ ہلاک کر دیا، بلکہ ان کی لاشیں بھی اُٹھا کر لے گئے۔ انہوں نے عینی شاہدوں کو بھی جان سے مارنے کی کوشش کی، لیکن جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے۔ نذیر، حاجراں اور راحیل ان کے شر سے محفوظ رہے، البتہ اس کے نتیجہ میں حاجراں زخمی ہو گئی۔ قاتلان انتقام کی آگ میں اس قدر بھُنے ہوئے تھے کہ انہوں نے مقتول محمد طفیل اور محمد جمیل کی لاشوں کے ٹکڑے کر کے موضع کٹار بند کے قریب دریا میں بہا دیے۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ پولیس چودہ ملزموں کو گرفتار کر چکی ہے، لیکن ایک ملزم سیف تا حال مفرور ہے۔ بعد ازاں کیس کی تفتیش صوبائی کرائمز برانچ کے سپرد کر دی گئی جو ہنوز تحقیقات میں مصروف ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ملزمان خاصے با اثر لوگ ہیں، اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ سے ایک روز پیشتر اُن کے متعلقہ تھانہ چوہنگ میں ایک انتہائی دیانتدار اور فرض شناس پولیس افسر خادم حسین شاہ کو بطور ایس ایچ او تعینات کیا گیا تھا، لیکن اس دوہرے قتل کے دو روز بعد ہی انہوں نے خادم حسین شاہ کا چوہنگ سے تبادلہ کرا دیا اور اب وہ مقتول محمد جمیل اور محمد طفیل کے وارثوں کو دھمکیاں دے رہے ہیں کہ وہ اس کیس کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں، ورنہ ان کی لاشوں کا حشر بھی مقتولین جیسا ہو گا۔ اس ڈر سے مقتول جمیل کا بہنوئی امین جو لاہور میں رہتا ہے، مرحوم جمیل کے دو لڑکوں راحیل اور اس سے چھوٹے عدیل کو اپنے پاس لے آیا ہے لیکن اُسے ہر آن یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وہ ظالم اپنی دھمکیوں پر عمل کرنے نہ پہنچ جائیں، کیونکہ اُن کے ظلم کا ایک عینی شاہد راحیل بھی ہے۔

مقتول محمد جمیل اور محمد طفیل کے وارثان نے انسپکٹر جنرل پولیس سے التجا کی ہے کہ وہ ذاتی طور پر دلچسپی لے کر مفرور ملزم کو گرفتار کرائیں اور ملزمان پارٹی کی دھمکیوں کے پیشِ نظر مقتولان کے لواحقین کو تحفظ کا احساس دلائیں۔ وارثان نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا ہے کہ اس کیس کو مارشل لاء حکام اپنی تحویل میں لے لیں۔ ویسے بھی اس دوہرے قتل کی سنگینی وارثان کے اس مطالبہ کی تائید کرتی ہے، تاکہ انصاف کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ مقتول محمد طفیل اور محمد جمیل بھی یتیمی کی حالت میں پروان چڑھے تھے اور اب اُن کے بچوں کو بھی آغازِ شعور

مقتول محمد جمیل

میں یتیم کر دیا گیا ہے۔ کیا اس جارحیت کا کوئی تدارک نہ ہو گا؟ راحیل اور عدیل جیسے بے ضرر لوگ اپنی بیویوں کو بیوہ بنا کر رخصت ہوتے رہیں گے اور اپنی ماؤں کو اپنی جوانمرگ کا روگ لگاتے رہیں گے؟

مقتولین کے بیوی بچے

لیکن تہذیب وتمدن و ثقافتی رشتوں کی بناء پر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ جنوبی ویت نام کا ثقافتی رشتہ تو ایشیا سے وابستہ تھا، جب کہ شمالی ویت نام کے ثقافتی ڈانڈے چین سے ملتے تھے۔

متحدہ ویت نام نے کئی بار کمبوڈیا کو نگلنے کی کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ تھائی لینڈ اسے ناکام بنا دیتا، کیونکہ وہ خود اس پر قبضہ کرنے کا خواہشمند تھا۔ اٹھارویں صدی عیسوی تک یہ خطہ ارض مسلسل ایسی بدامنی کا شکار بنا رہا۔ متحدہ ویت نام اور تھائی لینڈ باہم دست وگریبان تھے کہ چین نے اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ویت نام، کمبوڈیا اور لاؤس کو اپنے زیرنگیں کر لیا۔ ۱۸۰۴ء میں چینی قوت کمزور پڑنے سے فرانس، کمبوڈیا اور جنوبی ویت نام پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

۱۸۸۵ء کے ایک معاہدے کے تحت چین یہ تسلیم کرنے کا پابند ہوگیا کہ ویت نام فرانس کا علاقہ تصور ہوگا۔ فرانس نے ۱۸۹۳ء تک پورے ہند چینی پر یلغار کر کے یہاں اپنا پرچم لہرا دیا۔ دوسری جنگ عظیم تک یہ علاقہ فرانس کے ماتحت رہا، مگر بعد میں جاپان کے ہوچی مینہہ نے امریکہ اور برطانیہ کے فوجی وسائل کے بل بوتے پر فرانس کی قوت کا دیوالیہ نکال دیا۔

جاپان نے ۱۸۹۵ء تک پورے ویت نام پر قبضہ کر لیا۔ اس سے آگے بڑھ کر کمبوڈیا کو بھی ہتھیانا چاہا، مگر کامیاب نہ ہوسکا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دسمبر ۱۹۴۶ء میں ہوچی منہہ اور فرانسیسی افواج میں گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی جس کے نتیجے میں چینی کمونسٹ برسر اقتدار آگئے، انہوں نے ویت نام کے کمونسٹوں کو دل کھول کر امداد دی۔ ۱۹۵۳ء میں جب چین کوریا کی جنگ سے فارغ ہوا تو اس نے ویٹ نام کی طرف توجہ دی اور چین کی اس توجہ سے ویت نام فوجی لحاظ سے ذرا مستحکم ہوگیا۔ اس طرح چینی امداد کے سہارے شمالی ویت نام ۱۹۵۴ء میں ڈین بین پھو کی جنگ میں کامیاب ہوگیا اور اس کامیابی کی بدولت چین ویت نامیوں میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے میں خاصا کامیاب رہا۔ ویت نام میں چونکہ کمونسٹوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس لئے انہوں نے چین کا غلبہ توڑنے کے لئے روس کا سہارا لیا۔ روس نے فوراً اپنا دست شفقت آگے بڑھایا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اس موقع کا بڑی دیر سے منتظر تھا۔ روس کا اس میں بڑا اہم مفاد یہ تھا کہ وہ چین کے خلاف ویت نام کو اپنے ایک اڈے کے طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ دوسرا بڑا فائدہ روس کو یہ نظر آتا تھا کہ گرم پانی کی بڑی اہم بندرگاہ اسے حاصل ہوسکتی تھی جس کے ذریعے وہ پورے جنوب مشرقی ایشیا میں اپنا دائرہ کار بڑھانے میں کامیاب ہوسکتا تھا۔ ۱۹۵۴ء کے جنیوا معاہدے کی رُو سے ویت نام دو حصوں، جنوبی ویت نام اور شمالی ویت نام میں تقسیم ہوگیا، جب کہ کمبوڈیا اور لاؤس آزاد قرار پائے۔

چین اور روس نے جب شمالی ویت نام کو فوجی امداد دی، تو امریکہ نے اس کے جواب میں جنوبی ویت نام کو اقتصادی وفوجی امداد دینے کا اعلان کر دیا۔ جاپان نے چین اور روس کی ملی بھگت سے جنوبی ویت نام میں تشدد آمیز کارروائیوں کا آغاز کر دیا، جس کے جواب میں جنوبی ویت نام کی طرف سے امریکہ نے جنگ لڑی۔ ۱۹۶۵ء کے آخر تک دو لاکھ امریکی افواج جنوبی ویت نام تک پہنچ چکی تھی۔ اس میں ہر سال مسلسل اضافہ ہوتا رہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۶۸ء میں امریکی افواج کی تعداد پانچ لاکھ سے متجاوز ہو چکی تھی۔

ظاہری طور پر یہ جنگ شمالی ویت نام اور جنوبی ویت نام کے درمیان تھی، مگر "حقیقتاً" یہ جنگ امریکہ، روس اور چین کے خلاف لڑ رہا تھا۔ شمالی ویت نام کو روس کی اقتصادی اور فوجی امداد صرف اس لیے دی جا رہی تھی کہ اسے امریکہ کے مدمقابل کھڑا کر دیا جائے۔

اوائل ۱۹۶۹ء میں امریکہ میں ——— جب نکسن برسر اقتدار آئے تو امریکی رائے عامہ نے سخت ترین الفاظ میں ویت نام کی جنگ کی مخالفت کی۔ رائے عامہ کے کچھ حلقوں کا کہنا تھا کہ ویت نام سے امریکی افواج کو مرحلہ وار نکال لیا جائے، مگر شمالی ویت نام نے فوجوں کے انخلاء کے لیے جو شیڈول اور شرائط بنائیں، صدر نکسن انہیں قبول کرنے کے لیے قطعاً آمادہ نہ تھے، چنانچہ ۱۹۷۰ء میں صدر نکسن نے اعلان کیا کہ امریکہ اب "امن کی تلاش" میں جنگ کے دائرے کو وسعت دے گا۔ اسی دوران میں کمبوڈیا میں لون نول نے پرنس سہانوک کی حکومت کا تختہ الٹ کر فوجی حکومت قائم کی۔ یہ حکومت امریکہ نواز تھی۔ اپریل ۱۹۷۰ء میں امریکی اور جنوبی ویت نامی افواج کمبوڈیا میں گئیں، تاکہ اُن سے مل کر جنوبی ویت نام پر حملہ کرنے والے کمونسٹوں کا صفایا کرسکیں۔ (ایک اندازے کے مطابق اس وقت تیس ہزار ویت نامی شمال مشرقی کمبوڈیا میں تھے)

پرنس سہانوک جسے لون نول نے شکست دی تھی، چین بھاگ گیا اور وہاں جا کر جلاوطن حکومت قائم کر لی۔ اسے چین اور شمالی ویت نام سے امداد ملی، جس سے اس کا شمالی ویت نام میں اثر ورسوخ کافی حد تک بڑھ گیا۔

جب یہ اثر ورسوخ کمبوڈیا تک پھیلا، تو صدر نکسن کو معلوم ہوا کہ شمالی ویت نامی امن کی طرف گامزن نہیں ہیں۔ اسی اثنا میں روس کی قوت میں اضافہ ہوا، تو کسنجر حالات کو بہتر کرنے کے لیے ۱۹۷۱ء میں پیکنگ روانہ ہوا۔ امریکہ چین کے اس اتحاد نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔

اب شمالی ویت نام کے سامنے صرف دو راستے تھے:

۱۔ چین کا ساتھ دے کر امریکہ سے آسان شرائط پر صلح کر لے۔
۲۔ روس کے ساتھ مل کر جنگ کو تیز کر دے۔

شمالی ویت نام نے روس کا سہارا لیا اور جدید ترین روسی ہوائی جہاز، ٹینک اور توپیں کثیر تعداد میں شمالی ویت نام جانے لگیں۔ ۱۹۷۲ء کے اوائل میں روس کے چوٹی کے جرنیل شمالی ویت نام گئے اور وہاں کے جرنیلوں سے مل کر جنوبی ویت نام پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ یہ حملہ اس لحاظ سے کامیاب ثابت ہوا کہ امریکہ کو معلوم ہوگیا کہ جنوبی ویت نام اپنا دفاع نہیں کرسکتا، لہٰذا اسے یا تو جنوبی ویت نام میں ہی ٹھہرنا ہوگا یا شمالی ویت نام کی شرائط پر صلح کرنا ہوگی۔ روس کا مفاد اسی میں تھا کہ امریکہ ویت نام میں پھنسا رہے، تاکہ وہ اپنا اثر ورسوخ بڑھا سکے، دوسرا چین جنوب مشرقی ایشیا میں اپنے پاؤں نہ جما سکے۔

جنوبی ویت نام کی ناکامی کے بعد امریکہ نے اندھا دھند بمباری کی اور بالآخر ۱۹۷۳ء میں پیرس کے مقام پر جنگ بندی ہوئی، مگر ۱۹۷۴ء کے آخر میں ویت نام پر ایک مرتبہ پھر فیصلہ کن حملے کا آغاز ہوا اور ۳۰ اپریل ۱۹۷۵ء تک سارے ویت نام پر شمالی ویت نام کے کمونسٹ چھا گئے اور جون ۱۹۷۶ء میں دونوں ویت نام ایک مرتبہ پھر یکجا ہوگئے۔ لاؤس پر شمالی ویت نامیوں کے حامیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد اپریل ۱۹۷۵ء میں کمونسٹوں نے کمبوڈیا کے دارالحکومت نوم پنہ پر قبضہ کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کمبوڈیا پر قبضہ کرنے کے بعد پورے ہند چینی پر قبضہ کر کے اپنے دیرینہ خواب کو پورا کریں گے۔

ستمبر ۱۹۷۵ء میں سہانوک چین نواز کمونسٹوں کے ساتھ کمبوڈیا آیا اور ویت نام نواز اور چین نواز عناصر کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ نتیجے کے طور پر چین نواز کامیاب ہوئے اور ویت نام نواز عناصر اور لون نول کے حامیوں کو قتل کر دیا گیا۔

جب ویت نام نے کمبوڈیا کو اپنے ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو ۱۹۷۷ء میں روسی سفیروں کا سہارا لے کر ایک حملہ کر دیا جسے چین نے ناکام بنا دیا، چونکہ صدیوں سے ویت نام کمبوڈیا پر حملہ کرنے کا خواہشمند تھا، لہٰذا حالیہ حملہ اور بعدازاں پورے کمبوڈیا پر ویت نام کا قبضہ ہوجانا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ یہ تو وقت اور حالات کا تقاضا تھا، جس سے ویت نام نے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کر لیا۔

کمبوڈیا میں جو نئی حکومت قائم ہوئی ہے، اُسے روس، مغربی جرمنی، افغانستان اور روس کے دیگر حامی تسلیم کر چکے ہیں۔ روس نے تو اس نئی حکومت کو ہر قسم کی امداد دینے کا بھی اعلان کیا ہے، جب کہ چین کا موقف یہ ہے کہ:

۱۔ اقوام متحدہ میں پال پوٹ حکومت اب بھی حقیقی نمائندوں کے طور پر موجود ہے۔
۲۔ ویت نام نے اپنی کارروائیوں کے ذریعے جنوب مشرقی ایشیا میں امن اور استحکام کو خطرے سے دوچار کر دیا۔
۳۔ تمام ملکوں کو پال پوٹ حکومت کی اپیل پر عمل کرنا چاہیے کہ وہ ویت نام کو ہر قسم کی امداد بند کر دیں۔

اس پورے ڈرامے میں ایک حیران کن واقعہ یہ ہوا کہ جہاں روس اور وارسا پیکٹ کے رُکن ملکوں نے اس نام نہاد حکومت کا خیرمقدم کیا، وہاں رومانیہ نے اس کارروائی کی مذمت کی اور سوویٹ بلاک سے علیحدگی اختیار کر لی۔

سلامتی کونسل میں کمبوڈیا کے بارے میں سات غیر جانبدار ملکوں کی قرارداد کو روس نے حسب توقع ویٹو کر دیا۔ بنگلہ دیش، بولیویا، گبون، جمائیکا، کویت، نائیجیریا اور زمبیا کی طرف سے پیش کردہ اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ کمبوڈیا سے تمام غیر ملکی فوجیں واپس چلی جائیں۔ یہ قرارداد جسے برطانیہ، فرانس، امریکہ، چین، ناروے اور پرتگال کی حمایت حاصل تھی۔ روس کے ایک سو گیارہویں ویٹو کی نذر ہوگئی۔

●●

سقوطِ کمبوڈیا

رُوس کا حصار مضبوط ہو رہا ہے

احمد الشہابی کا تجزیہ

جنوب مشرقی ایشیا کے افق پر نیا سال توپوں کی گھن گرج کے ساتھ طلوع ہوا۔ ویت نامی فوجیں جنہیں سوویٹ روس کی پشت پناہی حاصل تھی، جدید لڑاکا طیاروں کی جارحیت کی آڑ میں بڑی تیزی سے آگے بڑھیں۔ انہوں نے دریائے میکانگ کو پار کر کے دفاعی شاہراہ "نائی وے فور" کو کاٹ دیا۔ کمبوڈیا کی کھیمر روج افواج جنہوں نے دو سال قبل لون نول کی کٹھ پتلی حکومت کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیا تھا، ہر محاذ پر پسپا ہو گئیں۔ کمبوڈیا کے سابق حکمران پرنس سہانوک نے ایک بار پھر ہوائی جہاز میں سوار ہو کر پیکنگ کی راہِ فرار اختیار کی، جہاں سے وہ نیویارک کے لیے روانہ ہو گئے تاکہ اقوامِ متحدہ میں کمبوڈیا پر بیرونی جارحیت کے مسئلہ پر سلامتی کونسل میں بحث و تمحیص کی جا سکے دکسی مثبت فیصلے کے نتیجے میں اگرچہ روسی ویٹو کا خطرہ موجود ہے)، کمبوڈیا کے وزیرِ اعظم مسٹر پال پوٹ کا اس وقت پتہ نہیں کہ کہاں ہیں۔ بعض اطلاعات کے مطابق وہ اس وقت چین یا تھائی لینڈ میں موجود ہیں، لیکن اس بات کا امکان بھی ہے کہ وہ اس اچانک حملے میں ہلاک ہو چکے ہیں۔

کمبوڈیا جس کی آبادی پچھتر لاکھ افراد پر مشتمل ہے، ایک زرعی ملک ہے۔ یہ فرانسیسی نوآبادی رہا ہے اور اس دور میں ویت نامی بیوروکریسی اس پر حاوی رہی ہے۔ اس ملک کے شمال میں لاؤس، مشرق میں ویت نام، جنوب میں خلیج سیام اور مغرب میں تھائی لینڈ واقع ہے۔ دارالحکومت نام پنھ سائیگون سے ایک سو تیس میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ ویت نام کے جارحانہ اقدامات کا آغاز جون ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ شمالی ویت نام نے خلیج سیام میں موجود ایک چھوٹے جزیرے تانگ پر دو بڑے بحری جہازوں کی مدد سے حملہ کر دیا اور دو دنوں کی خونریز لڑائی کے بعد جزیرے پر ویت نامی افواج کا قبضہ ہو گیا۔ سائیگون پر کمونسٹ تسلط کے بعد شمالی ویت نامی فوجیں شاہراہ ہوچی منہہ کے ساتھ ساتھ مشرقی لاؤس میں داخل ہو چکی تھیں جس کے نتیجے میں اب وہاں ویت نامی فوجیوں کی تعداد پچاس ہزار سے تجاوز کر چکی ہے جو اس کی اپنی باقاعدہ افواج سے کہیں زیادہ ہے۔ تھائی لینڈ جو ایک غیر کمونسٹ ملک ہے کمونسٹ گوریلوں کی آماجگاہ ہے۔ یہاں پر تقریباً دس ہزار کمونسٹ باغی جنگلوں میں چھپے ہوئے ہیں جو آئے دن تھائی حکومت کا امن و سکون درہم برہم کرتے رہتے ہیں۔ کمبوڈیا میں لون نول حکومت کی شکست کے بعد جسے امریکہ کی حمایت بھی حاصل تھی، کمونسٹ چین نے نام پنھ کی حکومت کو فوری طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ کمبوڈیا کی بندرگاہ کمپانگ سام پر چینی جہاز باقاعدگی سے آتے رہتے تھے جن پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کے علاوہ اسلحہ، گولہ بارود بھی لدا ہوتا تھا۔ جزیرہ تانگ پر ویت نامی قبضے کے بعد ہنوئی نے ایک اہم شخصیت مسٹر لی ڈوان کو نام پنھ بھیجا تاکہ بدلے ہوئے حالات میں نئے لیڈروں کے ساتھ مفاہمت کی جا سکے، لیکن اس میں اسے ناکامی ہوئی۔ سائیگون پر ہنوئی کے تسلط کے موقع پر بائیس ڈویژن فوج وہاں تعینات تھی۔ بیس ڈویژن فوج ابھی تک جنوب میں موجود ہے اور صرف دو ڈویژن فوج وہاں سے واپس بلائی گئی ہے۔ ان میں سے تین ڈویژن

فوج اب لاؤس میں مقیم ہے اور سات ڈویژن فوج بطور گیریزن جنوبی ویت نام میں موجود ہے، باقی دس ڈویژن فوج جسے روسی مشیروں کی تربیت حاصل ہے، جنگی مہمات کے لیے تیار رہتی ہے۔

ویت نام کے جارحانہ عزائم جنہیں روس کی آشیرباد حاصل ہے چین سمیت تمام جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کے لیے باعثِ تشویش ہیں۔ دراصل ویت نام سابق انڈوچائنا کی فرانسیسی سلطنت کے خواب دیکھ رہا ہے، جس میں لاؤس، کمبوڈیا اور ویت نام شامل تھے۔ کمبوڈیا پر حالیہ تسلط کے بعد وہ اور جری ہو جائے گا۔ وہ ایک مدت سے تھائی لینڈ پر نگاہیں جمائے ہوئے ہے جسے اب امریکی افواج کا تحفظ حاصل نہیں۔ اگر کسی کھلی جارحیت کے نتیجے میں اس کا تھائی لینڈ پر بھی قبضہ ہو جاتا ہے تو ہنوئی تریسٹھ ملین افراد پر مشتمل ایک عظیم نئی سامراجی طاقت سے اُبھرے گا اور چین کے گرد "روسی ویت نامی حصار" جس کا خدشہ پایا جاتا ہے مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد ملائیشیا، انڈونیشیا اور سنگاپور کی باری آئے گی۔ ماسکو جو بحرِ ہند اور بحرالکاہل میں سرگرداں نظر آتا ہے، ایک خطرناک حریف کی صورت میں امریکہ اور چین کے مدِ مقابل آ جائے گا۔

چین کے گرد مہلک حصار کھڑا کر دینے کی یہ سازش کوئی نئی بات نہیں ہے۔ چین ہمیشہ سے روسی جارحیت کا شکار رہا ہے۔ تاریخی واقعات کی روشنی میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ چین کو کتنے صدمے برداشت کرنا پڑے جب کہ وہ داخلی طور پر کمزور اور انتشار کا شکار تھا:

- روس نے دریائے آمور کے طاس پر قبضہ کر لیا اور ۱۶۸۹ء کے معاہدۂ نرچنسک کے مطابق روسی تسلط کو تسلیم کر لیا گیا۔
- دریائے آمور کے طاس کے شمالی علاقے کو ۱۸۵۸ء میں دوسری بار روسی جارحیت کا شکار بننا پڑا۔ چین نے معاہدۂ ایگن کی رُو سے اسے بھی تسلیم کر لیا۔
- چند سال بعد روسی جنوب کی طرف بڑھے اور ولاڈی واسٹک کو اپنی بندرگاہ بنایا۔ ۱۸۶۰ء کے معاہدہ پیکنگ کے مطابق چین نے خاموشی کے ساتھ اس پر مُہرِ تسلیم ثبت کر دی۔
- کچھ عرصہ بعد روسی چینی ترکستان کی طرف بڑھے جو اب سنکیانگ کہلاتا ہے اور تین لاکھ پچاس ہزار مربع میل کے علاقے پر اپنا تسلط جما لیا۔ ۱۸۶۴ء میں چین نے ایک معاہدے کی رُو سے سرِ تسلیم خم کر لیا، اگرچہ ۱۸۸۱ء میں عنایتِ خسروانہ کے تحت کچھ علاقہ اسے واپس کر دیا گیا۔

چین اور روس کی سرحد دُنیا کی طویل ترین سرحد ہے جو ساڑھے چار ہزار میل لمبی ہے۔ سرحد کے اس پار پچاس روسی فوجی ڈویژن تعینات ہیں، جنہیں جدید ترین فضائیہ کے علاوہ دس ہزار بھاری ٹینکوں کی مدد حاصل ہے۔ ۱۹۶۹ء میں چین سوویت سرحد پر دریائے یسوری کے ایک چھوٹے جزیرے چن پاؤ پر روسیوں نے قبضہ جمانے کی کوشش کی۔ تصادم کے نتیجے میں ستر کے قریب افراد ہلاک یا زخمی ہو گئے۔ سوویٹ روس مشرقی یورپ کے متعدد کمونسٹ ملکوں کی طرح چین کو بھی اپنا دست نگر رکھنا چاہتا تھا مگر غیور چینیوں نے کسی قیمت پر اس کی بالادستی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگست ۱۹۷۵ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ سمیت پینتیس دوسری قوموں نے ہلسنکی (فن لینڈ) میں جنگِ عظیم دوم کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والے نئے مشرقی یورپ کے کمونسٹ ممالک پر روسی سیادت کو تسلیم کر لیا تھا لیکن چین روس سے اپنے کھوئے ہوئے علاقے دوبارہ پُرامن طور پر لینے کی فکر میں ہے، مگر حالیہ روسی ویت نامی جارحیت سے یہ بات عیاں ہے کہ روس دنیائے کمونزم کی ایک عظیم طاقت کے روپ میں اجاگر ہونا چاہتا ہے اور چین ہی وہ ملک ہے جو اس کے عزائم میں ایک سنگِ گراں ہے۔ افغانستان کا حالیہ خونی کمونسٹ انقلاب بھی مجوزہ روسی حصار کی ایک کڑی ہے۔ ●●

ضروری وضاحت

مجھے اپنے دفتر ڈائرکٹوریٹ جنرل ٹی اینڈ ٹی اسلام آباد کی انتظامیہ کا لیٹر نمبر (ADMN) ۷۸/۳۲-۱۲ (ADMN) مورخہ ۳۱ دسمبر ۷۸ء ملا ہے جس سے مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے ہفت روزہ جریدہ "زندگی" کی اشاعت مورخہ ۷۸-۱۱-۱۰ میں زیرِ عنوان "مسئلہ یہ ہے" کچھ مواد میرے نام سے شائع ہوا ہے۔ زیرِ حوالہ خط ملنے کے بعد میرے علم میں یہ بات آئی اور ماقبل مجھے اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔

اس ضمن میں آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ میں نے کسی بھی نوع کا کوئی بھی مواد کسی بھی شکل میں آپ کے دفتر کو کبھی بھی نہیں بھیجا ہے اور جو کچھ بھی آپ کے جریدے میں شائع ہوا ہے، وہ کسی انجانے تخریب پسند فرد نے جو در پردہ شاید میرے ساتھ بغض و عناد اور دشمنی رکھتا ہے، میرے نام سے آپ کو ارسال کر دیا ہے، جس کے پس منظر میں مجھے ملازمت وغیرہ سے نکلوانا، محکمہ جاتی اور قانونی گرفتوں میں پھانسنا مقصود ہے۔ میرا اگر کوئی بھی معاملہ ہے، تو وہ ایک محکمہ جاتی سطح اور حدود کے اندر ہے۔ شائع شدہ مواد نہ میرا ارسال کردہ ہے اور نہ ہی میرے قلم کا ہے۔

(حفیظ اللہ خان زاہد، یو ڈی سی ڈائرکٹوریٹ جنرل ٹی اینڈ ٹی لاہور)

دھوکہ دیتے ہیں یہ بازی گر کھلا

ملتان میں شعائر اسلامی کے بارے میں دریدہ دہنی کر کے مسٹر حنیف رامے نے موقعہ پر ہی مسلمانوں کے جذبۂ غیرت و حمیت کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، تو اس نے مظلومیت کا ڈرامہ رچا کر کل کی پریس کانفرنس میں کھل کر اپنے خبثِ باطن کا مظاہرہ کیا ہے۔ جوں جوں ملک میں اسلامی نظام کے عملی اقدامات کئے جانے لگے ہیں، منافقین کی بدحواسی نمایاں ہو رہی ہے۔

دورِ آمریت کے تنخواہ دار قلمکار حنیف رامے اور نواب کالاباغ کے وظیفہ خوار اور جماعت اسلامی کے سابق مخبر کوثر نیازی اب پھر کسی خفیہ ہاتھ کا اشارہ پا کر جماعت کے خلاف الزامات کا بوسیدہ ترکش لے کر میدان میں آ گئے ہیں، حالانکہ ان دونوں کا پچھلے آٹھ دس سالوں کا بھیانک کردار ابھی قوم کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔ ان دونوں قلم فروشوں نے کنونشن لیگ کی ملازمت اور ایوب خان کی قصیدہ خوانی کر کے وظیفے، مراعات، لائسنس اور روٹ پرمٹ حاصل کئے اور پھر دونوں نے مسٹر بھٹو کی چاپلوسی اور خوشامد کو اپنا وظیفۂ حیات بنا لیا اور اپنے اپنے ہفت روزوں کے ذریعے بھٹو کی خوشامد کرنے کی خاطر اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا۔ حنیف رامے نے مسٹر بھٹو کو فخرِ ایشیا اور ماؤ کا جانشین اور کوثر نیازی نے "دیدہ ور" لکھ کر حق نمک ادا کیا اور اس دوران میں کاریں حاصل کیں، بینک بیلنس بنایا۔ کوثر نیازی نے ایک سے زائد شاندار کوٹھیاں تعمیر کیں اور آج تک دونوں محاسبے سے آزاد دندناتے پھرتے ہیں۔

جن لوگوں نے ایوب خاں کا نمک کھا کر اس سے بے وفائی کی، پھر بھٹو کے دور میں جی بھر کر کھایا اور بے شمار آسائشیں اور مراعات سے جھولیاں بھریں اور پھر اس سے بھی منہ پھیر لیا، وہ آج کسی اور کو در پردہ اپنی وفاداریوں کی یقین دہانیاں کروا کر محاسبے سے بچے پھرتے ہیں، وہ قوم کو اب مزید دھوکہ نہیں دے سکتے۔ (ایم اسماعیل تارڑ، لاہور)

نورانی صاحب! یہ طرزِ عمل مناسب نہیں

جمعیت العلمائے پاکستان کے قائد مولانا شاہ احمد نورانی صاحب کا ایک بیان اخبار میں آیا ہے کہ "ہم صرف ایسا اسلامی نظام قبول کریں گے جو اہل سنت کے مطابق ہو گا۔" اسی طرح ۳ جنوری ۱۹۷۹ء بروز بدھ کے روزنامہ "جنگ" میں آپ کا ایک بیان آیا ہے کہ "جمعیت العلمائے پاکستان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہے۔" میں "زندگی" کی وساطت سے جمعیت کے قائدین اور دیگر صاحبانِ علم و فکر سے گذارش کروں گا کہ وہ ان خیالات و نظریات کا نوٹس لیں اور ان بیانات کے مضمرات پر اچھی طرح غور فرمائیں۔

میں قائد جمعیت (نورانی گروپ) سے یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں کہ کب کسی نے یہ اعلان کیا ہے کہ ہم یہاں اہلِ سنت کے نظریات کے خلاف اسلام لائیں گے کہ مولانا نورانی صاحب کو اس بیان کے ذریعے بات واضح کرنے کی ضرورت پیش آ گئی۔ کیا اب وہ اسلامی نظام کی تعبیر و تشریح کو بھی فرقہ دارانہ اختلافات کا مسئلہ بنانا چاہتے ہیں؟ کیا اب وہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں جو فقہی اختلافات موجود ہیں ان کو بنیاد بنا کر چاہتے ہیں کہ یہاں صرف وہی طریقہ رائج ہو جو ہمارا پسندیدہ اور جس پر ہماری چھاپ نمایاں ہو؟ حالانکہ اسلام کے پیش کردہ نظامِ زندگی کے بارے میں تمام مکتبہ ہائے فکر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس امر سے انکار نہیں کہ یہاں اکثریت سنی عقیدے سے تعلق رکھتی ہے، مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ اہلِ سنت بھی کئی مکتبہ ہائے فکر میں بٹے ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں مولانا کس مکتبۂ فکر کو اہلسنت گردانتے ہیں اور کس کو اہلِ سنت سے باہر۔ بہرحال کسی ایک مکتبۂ فکر کی مخصوص تعبیر و تشریحات دوسروں پر مسلط کرنے کی سعی و جہد اسلامی نظام (نظام مصطفےٰؐ) سے بے خبری اور اس کے نفاذ میں روڑے اٹکانے کے مترادف ہے۔

رہی یہ بات کہ جمعیت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارٹی ہے، تو واقعی سبحان اللہ فتویٰ لاجواب ہے۔ یعنی جمعیت ہی صرف حضور صلعم کی پارٹی ہے اور جو جمعیت سے باہر ہے وہ حضور صلعم کی پارٹی سے باہر ہے (العیاذ باللہ) اس نادر فتوے پر عقل و دانش جتنا ماتم کرے کم ہے۔

(محمد حنیظ قریشی، دھیدوالی ضلع سیالکوٹ)

پنجاب ٹیچرز یونین

مورخہ یکم دسمبر ۱۹۷۸ء کو پنجاب ٹیچرز یونین کے صدر جناب عبدالغفور غفاری صاحب نے کمالیہ گورنمنٹ میونسپل ہائی سکول میں نئے عہدیداروں کے چناؤ کے لئے سب ڈویژن کمالیہ کے تمام پرائمری اور سیکنڈری اساتذہ کا اجلاس بلایا۔ ان کی آمد کے موقع پر صرف ۵۰ اساتذہ موجود تھے جب کہ پورے سب ڈویژن کمالیہ میں اساتذہ کی تعداد تقریباً ساڑھے تین سو تک ہے اور اکثریت پی۔ٹی سی اور جے وی اساتذہ کی ہے۔ ٹیچرز یونین کے صدر نے آتے ہی پرائمری اساتذہ پر برسنا شروع کر دیا۔ انہوں نے گورنمنٹ کی طرف سے دیئے گئے ٹیچنگ الاؤنس کو جے وی اور پی۔ٹی سی اساتذہ کے لئے ناجائز قرار دیا، جس پر اکثر اساتذہ اجلاس سے واک آؤٹ کر گئے جو باقی بچے انہوں نے اپنا جے وی نمائندہ بطور صدر تجویز کر دیا، لیکن سلیکشن کے غیر جمہوری طریقے کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکا۔

اس موقع پر ایسے اساتذہ اور عہدیداران کو منتخب کیا گیا جو عرصہ دراز سے یونین کے عہدیدار چلے آ رہے تھے اور اساتذہ کے فنڈز کو مالِ مفت سمجھ کر اڑا رہے تھے۔ ان عہدیداران میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کے دفتر کے ٹاؤٹ ہیں اور یہ لوگ سب ڈویژن پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ جب تک ان سے رابطہ قائم نہ کیا جائے، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کے دفتر سے کام نہیں ہوتا، لہٰذا ایسے افراد پر تمام جے وی اور پی ٹی سی اساتذہ عدمِ اعتماد کا اظہار کرتے ہیں اور عبدالغفور غفاری صدر پنجاب ٹیچرز یونین سے مطالبہ کرتے ہیں کہ کمالیہ ڈویژن کے تمام اساتذہ کے علم میں لا کر عہدیداروں کا دوبارہ چناؤ کیا جائے۔

(قاری محمد اظہار الحق، کمالیہ)

شہید برادران کی برسی پر مقابلہ مضمون نویسی

بزم ضمیر شہید کے زیرِ اہتمام ۱۶ مارچ ۷۹ء کو حسبِ سابق لیفٹیننٹ ضمیر حسین منہاس اور طارق محمود منہاس کی یاد میں گورنمنٹ سہگل ماڈل ہائی سکول سہگل آباد میں ایک تقریب منعقد کی جا رہی ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور طالبات سے ان تین موضوعات پر انعامی تحریری مقابلے میں حصہ لینے کی استدعا کی گئی ہے۔

۱۔ پاکستان کے روشن مستقبل کا انحصار قوم خصوصاً نئی نسل کی اخلاقی تربیت پر ہے

۲۔ جذبۂ شہادت ہماری سلامتی کا ضامن ہے۔

۳۔ بنیادی عقائد سے ہٹ کر مذہبی قیل و قال تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

منصفین

۱۔ جناب جسٹس بشیر الدین صاحب ریٹائرڈ جج ہائیکورٹ لاہور۔

۲۔ بیگم شنا ورڈوگر صاحبہ، پروفیسر اسلامیہ گرلز کالج کوپر روڈ لاہور۔

۳۔ جناب بریگیڈئر گلزار احمد صاحب ریٹائرڈ (جہلم)

انعامات:۔ ہر موضوع پر اول دوسو۔ دوئم ڈیڑھ اور سوئم سو روپے معہ مطبوعہ اسناد۔

مضامین خوشخط اور کاغذ کے ایک طرف جو چار صفحات سے زائد نہ ہوں متعلقہ تعلیمی ادارے کے سربراہ کی تصدیق کے ساتھ ۱۵ فروری ۱۹۷۹ء تک درج ذیل پتہ پر پہنچ جانے چاہئیں۔

محمد خان اظہر، بانی سرپرست بزم ضمیر منہاس شہید)

مقام ربال براستہ سہگل آباد، چکوال ضلع جہلم

R. L. No 7564 | ZINDAGI | PHONE : 413809
WEEKLY | LAHORE

پاکستان انٹرنیشنل

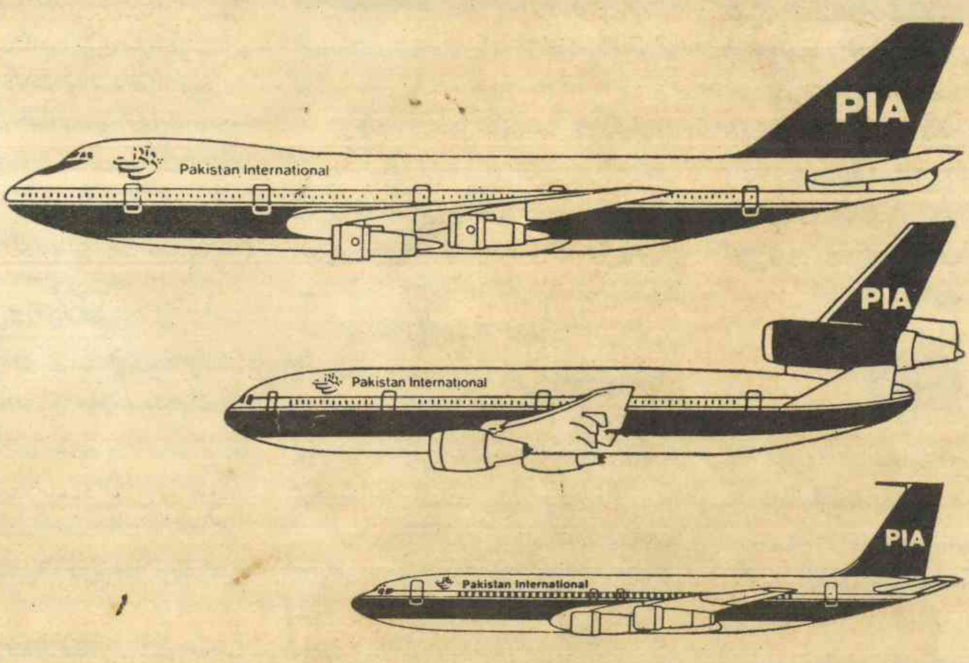

جو دیکھتے ہی دیکھتے لیگ کی صفِ اوّل کی ایئر لائنز میں شمار کی جانے لگی۔
اس مختصر مدّت میں ایسی شاندار ترقی نے دُنیا کو محوِ حیرت کر دیا ہے۔
چنانچہ گذشتہ برس دُنیا کے ۶۰ مختلف شہروں سے ۲۸ لاکھ مسافروں نے
پی آئی اے سے سفر کیا۔
پی آئی اے کا فضائی بیڑا جدید ترین بوئنگ ۷۴۷، ڈی سی ۱۰ اور بوئنگ ۷۰۷ قسم کے
طیاروں پر مشتمل ہے جن کا دائرہ پرواز دُنیا کے چہار براعظم پر پھیلا ہوا ہے۔

پی آئی اے PIA
پاکستان انٹرنیشنل
باکمال لوگ - لاجواب پرواز

IAL-IPP-34-78 RIO (K) PID